غلام رسول خاورچودھری
استاد شعبہ اردو
پنجاب دانش اسکول، چشتیاں

دَوہے میں ہیئتی اور صنفی تجربات

Doha is an ancient Hindi gcnure. It is more famous because of Sufis, Saints and religious sermons. Historiam of literature link it with para karat and Bridge Bhasha. Like other geners, Doha also came in Urdu. In this articele one physical and genere ferms of Doha have been discussed.

دوہاقدیم ہندی صنف ہے۔ اس کی زیادہ تر شہرت صوفیوں، بھگتوں، سنتوں کے اپدیشوں، وعظوں اور مذہبی بھاشنوں کی وجہ سے ہے۔ مؤرخینِ اَدب نے اس کا سلسلہ پراکرت، اوراس میں بھی خصوصاً برج بھاشا سے جوڑا ہے۔ جس طرح بہت سی دُوسری اصنافِ سخن دوسری زبانوں سے اُردو میں رائج ہوئیں، اسی طرح دوہا پراکرت سے تدریجاً موجودہ اُردو میں رائج ہوا۔

دوہا کی ابتدا اَپ بھرنش یا پراکرتوں سے ہوئی۔ سنسکرت میں اس کے وجود کی نفی ہوتی ہے۔ ''دوہے کی صنف کے آغاز اور ابتدائی ادوار میں ارتقاء کی تاریخ بھی واضح نہیں۔ اس لیے بعض اوقات معلوم شواہد سے کچھ اندازے لگانا پڑتے ہیں۔ جناب شین۔ کاف۔ نظام کی تحقیق کے مطابق ''سنسکرت روایت میں تالیف وتصنیف ہوئی عروضی کتب میں دوہے کا ذکر نہیں ملتا۔ وجہ غالباً یہ ہو کہ قدیم سنسکرت زبان میں دوہا کہنے کا رواج ہی نہ رہاہو۔ سنسکرت کی قدیم ترین عروضی کتاب چھند و لکشن گرنتھ میں بھی دوہے کا ذکر نہیں ملتا۔ سنسکرت کے دیگر چھندشاستر کی کتب مثلاً جے دیوکا'' جے دیوچھندس'' کالی داس کی ''شرت بودھ'' جے کیرتی کے ''چھندونشاسم'' کیشمندر کے ''سورت تلک'' وغیر ہ میں بھی دوہے کا ذکر نہیں ملتا۔ آٹھویں صدی کے چھند لکشن کار درہانک نے دوہے کے ابتدائی اشکال کا ذکر کیا ہے، جسے انھوں نے دوپاد یاچرن یعنی دو مصرعوں والا چھند مانا ہے۔

جناب شین کاف نظام نے مزید بتایاہے، کہ ایک خیال کے مطابق ''دوہا'' سنسکرت ہی سے نکلا ہے اور پھر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ دوہاسورٹھا کی قدیم شکلیں نویں صدی کے ''ہندی'' عروضیوں کے یہاں موجود تھیں۔ ''ہندی'' سے یہاں غالباً جناب نظام کی مراد 'ہندکے'' ہے کیوں کہ نویں صدی میں تو کوئی پراکرت شاعری کے لیے نمایاں نہیں ہوئی تھی۔ برج

بھاشا بھی گیارہویں صدی کے آس پاس نمایاں ہوئی۔اس لیے اس وقت جو بھی زبان تھی وہ ''ہندی زبان'' نہیں تھی۔''بہ ہرحال زبان کو جو بھی نام دیاجائے یہ ماننا پڑتا ہے ،کہ اس کے آغاز کارہندو ہی تھے۔

ڈاکٹر محمد اعظم کُریوی نے چندربردائی کوہندی شاعری کاباباآدم قراردیا ہے اور ایک طرح سے یہ ثابت کردیا ہے ،کہ کم ازکم دوہا کی شروعات وہاں سے تسلیم کی جاسکتی ہیں۔ پھر خسروؔ اوران سے بھی قبل صوفیا کاکلام موجود ہے۔شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر،حمیدالدین صوفی شیخ سوالی ناگوری اور شیخ شرف الدین بوعلی قلندرخسروؔ سے پہلے کے دوہا نگار تسلیم کیے جاتے ہیں۔

اساتذہ کے علاوہ ہندوستان اورپاکستان میں جو لوگ اس فن میں نمایاں ہوئے ، اُن میںخواجہ دل محمد، جمیل الدین عالی، الیاس عشقی، عرش صدیقی، پرتوروہیلہ،ڈاکٹر وحید قریشی ،ناصرشہزاد، بیکل اُتساہی، ندافاضلی، بھگوان داس اعجاز،نادم بلخی،عتیق احمد عتیق، شہریار،مظفرحنفی، مخمورسعیدی، عادل منصوری، شارق جمال، ظفرگورکھپوری، مناظرعاشق ہرگانوی،منصورعمر، نذیر فتح پوری، آزادگلاٹی، قیصرشمیم، فرازحامدی،شاکرخلیق، عبدالمنان طرزی ، کرشن موہن ،یوسف جمال،یونس احمر، ابراہیم اشک،شین کاف نظام،بازغ بہاری، گوہر شیخ پوروی، کرشن بہاری نور، مجازجے پوری،روشن شہری، کرشن کمار طور،مہدی پرتاب گڑھی،ناوؤک حمزہ پوری،ساحرشیوی،کاوش پرتاب گڑھی، شاہد میر،فراغ روہوی، شاہدجمیل، عاصم شہنواز شبلی،اظہرنیر،امام اعظم،قتیل شفائی، ظفرہاشمی،چندربھان خیال،سیفی سرونجی، خوشترمکرانوی،عمرفیضی، وقار واثقی، سوہن راہی،تاج سعید، عابدصدیق،جمیل عظیم آبادی،رحمن خاور ، رشید قیصرا نی ، حامد برگی،توقیرچغتائی، شیخ ایاز (ترجمہ:آفاق صدیقی)، نصیراحمدناصر،شاعرصدیقی،جمال پانی پتی، سلطان اختر،جلیل ہاشمی، شبی فاروقی، شفقت بٹالوی، شفقت تنویرمرزا،افضل پرویز، شررنعمانی،محمدعلی بخاری، انوار انجم ، نگارصہبائی، کشور ناہید، مشتاق چغتائی، سہیل غازی پوری، سیدزاہدحیدر، خاورچودھری،مشتاق عاجز، تنویر پھول وغیرہ شامل ہیں۔ ان ناموں میں دوہاچھنداور سرسی چھندکواپنانے والے شاعرموجود ہیں۔

پاکستان میں دوہوں کی پہلی کتاب''پیت کی ریت '' ہے۔یہ خواجہ دل محمد کی تخلیق ہے۔یہ کتاب دوہے کے مزاج اورآہنگ کے عین مطابق ہے۔ اس کی زبان اورمضامین بھی دوہا بانی کی یاد دلاتے ہیں۔اس کتاب کے بعد جمیل الدین عالی کا دور شروع ہوتا ہے، جنھوں نے اپنی نغمگی اورترنم کے باعث اس فن کو اُردودان طبقے میں مقبول کیا اور اپنے بیسیوں مقلد پیدا کیے۔حال ہی میں ڈاکٹر طاہر سعید ہارون کی دوہوں پر مشتمل بارہویں کتاب ''جیوتی'' کے نام سے سامنے آئی ہے۔یہ کتاب بھی دوہا کی روایتی ہندی آمیززبان پر مشتمل ہے۔اس زبان کو پراکرت میں تلاش کیاگیا اور ویسے بھی دوہابانی کو پراکرت ہی کہاگیا۔برج بھاشا اور پوربی بھاکا دونوں پراکرت کی بیٹیاں۔ ان دونوں بولیوں میں دوہا کہا گیا ہے۔چندربردائی کو ہندی شاعری اور دوہا کا پہلا باقاعدہ شاعر کہاجاتا ہے۔ان کے حوالے سے ڈاکٹر اعظم کُریوی نے اطلاع دی ہے، کہ یہ قوم کے بھاٹ تھے اور لاہور میں ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوئے ،لیکن ان کی شاعری نے مشرقی علاقوں میں

نموپائی۔ بعدمیں واردِ اجمیر ہوئے اور دربارتک رسائی حاصل کر لی۔ یوں ''پرتھی راج راسو'' نامی ایک کتاب تقریباً ڈھائی ہزار صفحے کو محیط لکھی۔ اس کتاب پر غالب رنگ سنسکرت اور پراکرت کا ہے۔ نمونۂ کلام دیکھیے:

سرس کاویہ رچنا رچوں جن سنن ہسنت
جیسے سیندھور دیکھ مگ سو ان سو بھاؤ بھسنت

تو پتی سوجن نمنت گن رچئے تن من پھول
جو کا بھے جئے جان کے کیوں تارئے دو کول[1]

اگرچہ یہ زبان ہمارے یہاں آج مشکل سے سمجھ آتی ہے، لیکن قیامِ پاکستان سے پہلے اسے سمجھاجاسکتا تھا۔ اب بھی تھوڑی بہت رَس جَس رکھنے والا شخص اس سے مفہوم کشید کرسکتا ہے۔ پہلے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ:'' میری شاعری بامعنی ہے، لیکن مخالفین ہنستے ہیں۔ ہاتھی کو دیکھ کر جس طرح عادتاً کتے بھونکتے ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔ دوسرا شعر بھی اسی مفہوم سے جڑا ہوا ہے۔ شاعر کہتا ہے جس طرح جوؤں کے ڈر سے کوئی اپناقیمتی ریشمی دوپٹہ پھینک نہیں دیتا، اسی طرح اچھے لوگوں کواپنے اوصاف نہیں چھوڑنے چاہییں۔ اپنے تن من پر اخلاق کے پھول کھلاتے رہنا چاہیے۔''

خوب صورت تشبیہات اور استعارات سے سجا یہ مقفّیٰ کلام ظاہر کرتا ہے ، کہ چندربردائی کے یہاں فکروبیان کا قرینہ تھا، ورنہ شروع کے ایام میں اتنی پختگی کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ یہ چندربردائی ہی ہیں، جن کے بعد ایک کہکشاں شاعروں کی نظر آتی ہے۔

برج بھاشا کے ضمن میں ناصر شہزاد کی بیان ہے، کہ:'' قدیم دوہا کی زبان زیادہ تر برج بھاشا کے ایوان سے باپہچان رہی ہے۔ ''برج'' شریمتی رادھا جی کے گاؤں کانام ہے اور''بھاشا'' اس کی بولی کو کہتے ہیں۔''   (میگھ ملہار۔ ص ۱۱)

ہندی شاعری پر بحث کے دوران اعظم کُریوی بھاشازبان کے شاعروں کے باب میں کہتے ہیں:

''جس طرح اُردو میں شاعروں کی بھرمار ہے، وہی حال ہندی شاعری کا بھی ہے۔ لیکن مستند اور مشہور صرف چند ہیں، جن میں سے ''چندربردائی '' کے علاوہ خسرو ، ملاداؤد، کبیر، سعد، ملک محمد جائسی، میرابائی، تلسی داس، کیشو داس ، رحیم ، رس خان، نرہر، گنگ، مبارک ، عالم شیخ ، سیناپت، بہاری، بھوشن ، متی رام لال، دیودت، بھارتند، ہریش چندر، سید غلام نبی بلگرامی ، عبدالرحمن، پریمی، سید عبدالجلیل بلگرامی، سرتیایک بلگرامی ، سیدرحمت اللہ بلگرامی، سردار گنیش پرشاد ، للو لال خاص طور سے مشہور ہیں۔ ہندی شاعری کی یہ وہ باکمال ہستیاں ہیں، جو آسمانِ ادب پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکیں۔''[2]

ان شعرا میں سے بیش تروہ ہیں، جو دوہا کوی کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ یوں ہمیں یہ نشان مل جاتا ہے، کہ دوہا بانی کی بنیاد کے وقت کون سی زبان تھی۔ ممتازشاعرناصر شہزاد کی معلومات اس بیان کی تائید کرتی ہے ،وہ کہتے ہیں:

"دوہا یہاں کی شعری بوطیقا میں تب وثیقہ ہوا جب اجمیر کا جنگ جُو اورخُرم خُو جوان حکمران مہاراج پرتھوی را ج چوہان اپنی منوہر مُو اورخوبرو محبوبہ قنوج کی راج کماری سنجوگتاکو سوئمبر سے اٹھا کر اجمیر لایا۔پرتھوی راج کے ایک ممتاز درباری شاعر چندر بردائی نے گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں اُس کے لیے ایک کتاب"پرتھوی راج راسو" لکھی جس میں پرتھوی راج کے دیگر جنگی کارناموں کے ساتھ ساتھ پرتھوی اور سنجوگتا کی لافانی محبت کے سنجوگ اور بجوگ کو ایک کہانی کے ہنگاموں اور سرناموں سے گذارا۔اس کہانی کااحاطہ کرنے کے لیے چندربردائی نے برصغیر کی کئی ایک اصناف سخن کو اپنے فنی غرناطہ کے طور پربرتا۔دوہا وہاں استعمال ہوا جہاں راجکماری سنجوگتا اورراجکمار پرتھوی راج کے مابین فراق اوروفاق کے مناظر کو ناظر کرناتھا۔اگرچہ ان دوہوں کی زبان بڑی گنجان اور بے نردبان ہے اور جدید ہندی ودوانوں کی پہچان سے بھی باہر۔مگر اس سے یہ معمہ ضرور حل ہوگیا ہے کہ دوہاگیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں دستور ہوا۔ چندربروائی نے"پرتھوی راج راسو" میں ایک اندازے کے مطابق ایک لاکھ پنکتیاں[مصرعے] کہیں۔"[۳]

دوہا کے فن اور ہیئتی تجربات پرگفتگو سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ"دوہا" کے مفاہیم سے آگاہی حاصل کر لی جائے۔دوہا ہندی لوک اَدب کی ایسی صنف ہے ،جس میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں دوہے کہے گئے۔صرف ایک شاعر کیسوداس نے اس صنف میں پچھترہزار دوہے کہے۔مختلف لغات نے دوہا جو معنوی جامہ پہنایا ہے،ذیل میں دیاجارہاہے:

ہندی اُردو لغت:

دوہا ایک ہندی نظم ہے، جس میں چار چرن ہوتے ہیں۔[۴]

علمی اُردو لغت:

دوہا/دوہڑا(ہ۔امذ) ہندی نظم کی ایک قسم۔[۵]

قدیم اُردو لغت:

دوہا ، دو مصرعوں کی ایک نظم، جس میں چارچرن ہوتے ہیں۔[۶]

فرہنگ آصفیہ:

دوہا یا دوہرا۔ہ۔اسم مذکر۔جوڑا۔بیت۔فرد۔دومصرعوں کا ہندی شعر۔[۷]

اعجازاللغات:

دوہا(دو۔ہا)ہ۔امذ۔دومصرعوں پر مشتمل ہندی شعر۔[۸]

آکھیابابافرید:

دوہے کا ہر مصرع دو چرنوں میں تقسیم ہوتا ہے۔پہلے چرن میں۱۳ ماترائیں پھر وسرام۔اگلے چرن میں ۱۱ ماترائیں ہوتی ہیں۔اسی طرح دونوں مصرعوں کی ۴۸ماترائیں ہوتی ہیں۔[۹]

وڈی پنجابی لغت:

دوہا۔مذکر ہندی پنجابی شاعری دی اک صنف جیہدوچ دو مصرعے ہوندے نیں۔[۱۰]

فیروزالغات:

دوہے(دو۔ہا)[ہ۔مذکر] دومصرعوں کا ہندی شعر۔[۱۱]

نورالغات:

دوہا۔دوہرا۔ہندی نظم کا بیت۔[۱۲]

جامع الغات:

دوہا ہندی بیت ہے۔[۱۳]

پلیٹس ڈکشنری:

S.M an old popular prakrit and Hindi meter; a couplet , distich (the two verses of which rhyme) ; each verse consists of 24 matras which are distributed into feet of 6+4+3 matras respectively , with a ceasura at the end of each first hemstich.[14]

آکسفورڈ ڈکشنری:

Doha : duidha , duipatha , Ap duvahaam, A rhyming couplet , in which each line consist of half lines made up of feet of 6+4+3 and 6+4+1 matras respectively.[15]

بھارگواڈکشنری:

Doha: n-mas a couplet (in Hindi)[16]

اب علمائے ادب نے جو تعریفیں کی ہیں،وہ ملاحظہ ہوں:

عارف منصور:

یہ وہ صنفِ سخن ہے جو ایک بیت یاایک شعر پر مشتمل ہوتی ہے۔لیکن اس شعر کے ہر مصرعے کے دو حصے ہوتے ہیں، جن کے بیچ میں ٹھہراؤ(بسرام یا وشرام) ہوتا ہے۔اس طرح پورا شعرچار ٹکڑوں پر مبنی ہوتا ہے۔اس کو اُردو میں بیت کا مترادف کہہ سکتے ہیں اور مفہوم کے اعتبار سے مکمل ہونے کے باعث اسے رباعی کا ہم پلّہ قرار دیا جاسکتا ہے۔[۱۷]

جمیل یوسف:

دوہا برصغیر پاک وہند کے لوک گیتوں سے ملتی جلتی ایک صنف ہے،جس کا ہر شعر غزل کے اشعار کی طرح

معانی و مطالب کے لحاظ سے اپنی جگہ مکمل اور غزل کے مطلع کی طرح ہم قافیہ ہوتا ہے ، مگر دوہا غزل کے اشعار کی طرح مختلف اوزان اور مختلف بحروں میں نہیں ہوتا۔رباعی کی طرح اس کی ایک دو مخصوص بحریں ہیں۔(۱۸)

محمد سالم:

دوہا ایک قدیم صنفِ سخن ہے، لیکن اس کی روایت نہ سنسکرت میں ملتی ہے اور نہ ہی عربی او ر فارسی میں۔ اس کو دو مصرعوں والا چھند کہا جاتاہے۔اس کی شکل غزل کے مطلع سے ملتی جلتی ہے۔دونوں مصرعے آپس میں مقفّیٰ ہوتے ہیں۔ہیئت کے اعتبار سے دونوں میں مماثلت ہے ، لیکن غزل اپنے شعری مذاق، مزاج اور جمالیات میں جداگانہ طرز کی حامل ہے۔اسلوبیاتی اعتبار پر دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں۔(۱۹)

ڈاکٹر محمد محفوظ الحسن:

دوہا ہندی شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔دوہے کی روایت اُردو شاعری میں بھی شروع سے ہی رہی ہے، اس کی ابتدا کا سہرا بھی امیر خسروؒ کے سر بندھتا ہے۔(۲۰)

جمیل عظیم آبادی:

دوہا کے لفظی معنی ہیں"دو مصرعوں کا ہندی شعر" جس طرح غزل گوئی کا فن فارسی سے اُردو میں آیا،اسی طرح دوہا نگاری کا فن ہندی سے اُردو میں آیا۔(۲۱)

پروفیسر افتخاراجمل شاہین نے اپنے ایک مضمون میں "ادبی اصناف" سے ڈاکٹرگیان چند جین کی یہ رائے نقل کی ہے:

ڈاکٹرگیان چند جین:

"یہ عروضی صنف ہے، جو ایک شعر کے برابرہوتی ہے۔اس کے ہر مصرعے میں۲۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔مصرعے کے پہلے جزو میں۱۳ ماترائیں ہوتی ہیں،اس کے بعد وقفہ اور دوسرے جزومیں۱۱ماترائیں۔"(۲۲)

اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں:

اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، کہ دوہا دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اس بنا پر غزل کے مطلعے کا ہم صورت ہوتاہے۔دوہوں کے دونوں مصرعے دو حصوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں۔پہلا حصہ ۱۳ ماتراؤں کا ہوتا ہے اور سم کہلاتا ہے۔دوسرا حصہ گیارہ ماتراؤں پر مشتمل ہوتا ہے اسے وشم کہتے ہیں۔(۲۳)

تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند:

دوہا ہندی شاعری کی ایک اہم صنف ہے اور عربی کے بیت کے مترادف ہے۔اس میں دو مصرعے ہوتے ہیں،جن کا ہم قافیہ ہونا ضروری ہے۔ہر مصرع کئی حصوں میں تقسیم ہوتا ہے ، جنھیں چرن یا پد کہتے ہیں۔(۲۴)

ابواللیث صدیقی:

دوہا برج بھاشا میں شاعری کی ایک مقبول صنف ہے اور متقدمین میں آج تک کسی قدر اس کا رواج پایا جاتا

ہے۔[۲۵]

جابر علی سید:

ہندی دوہا ہماری بیت کے مماثل ہے۔دونوں کی ہیئت اور مضامین میں بڑی حد تک مماثلت ہے۔[۲۶]

مخدوم الطاف حسین:

دوہا کی صنف اپ بھرنش یعنی وی بھاشا پاوی بھرشٹ کی صنف ہے۔لفظ ''دوہا''دراصل سرائیکی کا لفظ ڈوڈہا ہے، جس کا مطلب کسی چیز یا کپڑے کو دو تہوں میں لپیٹنا یا پھرڈبل(دو) کے مفہوم میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔مگر انگریزی کی طرح جو فرق سیکنڈ اورڈبل میں ہے ،وہی سرائیکی ڈو اورڈوڈہا میں ہے۔اوبرائن کی گلوسری آف ملتانی لینگوئج سے ایک انگریزی اقتباس صفحہ X۷۔ماخوذ ملتانی زبان اور اس کا(کذا) صفحہ نمبر۳۷۴

The most popular form of literature is the Doha , which in verse containing two lines , whenever a collcction of jats take place for pleasure or for work , they bigin to sign Dohra.... thy joys and pains of love , separation from home , immutability of fate and matters connected with agriculture life for the topics of ninety out of hundred Dohras[۲۷]

راج پال :

چار حرفوں والا شدھ چھند(جیسے بہاری کا دوہا) اور جہاں تک بہاری کے دوہوں کا تعلق ہے ، وہ مستند بحر ۱۱+۱۳پر مشتمل ہیں۔[۲۸]

ڈاکٹر ضیاء الحسن:

دوہا بھی غزل کے شعر [مطلع]کی طرح دو مصرعوں کی مکمل نظم ہوتا ہے۔دوہا غزل سے مزاجاً بہت قریب ہے اور غزل کی طرح موضوعاتی تسلسل کی طرف مائل ہوا ہے۔[۲۹]

شہناز پروین:

اس [دوہا] کی بنیاد ہندی زبان او ر اساطیر پر اُستوار ہے اور اس کی فضا میں برصغیرہندوپاک کی مٹی کی مخصوص خوشبو ہے۔[۳۰]

بشریٰ اعجاز:

دوہااَپ بھرنش یا سنسکرت سے نکلا ہے۔ہندی شاعری میں دوہے کو''شلوک'' کہتے ہیں۔جس کا مطلب ہے: شاہ کاکلام۔دوہا بیت ، یا فرد کی طرح دو مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔دوہے کا شاعرانھی دو مصرعوں میں ایک خیال، ایک مضمون یاایک جذبے کو بیان کرتا ہے۔[۳۱]

ڈاکٹر محمد ظہور خان، پارس:

دوہا ہندی کا ایک معروف چھند ہے، جو ہندی کی پہچان بھی ہے، یہ بات بھی تسلیم شدہ ہے کہ دوہا اَپ بھرنش کا اپنا مخصوص وزن ہے... دراصل دوہا فرد کی طرح تنہا ہوتا ہے۔ دوہے کا ہر شعر اپنے آپ میں معنوی اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔[۳۲]

ان دو درجن سے زائد مفاہیم اور تعریفوں سے یہ واضح ہوتا ہے ، کہ دوہا فرد کی طرح ہوتا ہے ، غزل کے مطلع جیسا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ مضامین کے اعتبار سے دومصرعوں پر مشتمل یہ ایک مکمل یونٹ ہے، جس طرح غزل کا شعر۔ ہندی صنف سخن ہے اوراس کا آغاز پراکرتوں سے ہوتا ہے۔ یہی زیادہ تر علمائے اَدب کی رائے ہے۔ اس کا مخصوص وزن "دوہاچھند" ہے جوماترائی نظام اور پنگل کا حامل ہوتا ہے۔ اس کی ہر پنکتی (مصرع) دوحصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلے حصے میں تیرہ ماترائیں آتی ہیں، پھر بسرام (وقفہ) ہوتا ہے اور پھر گیارہ ماتراؤں پر پنکتی ختم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح دوسری پنکتی ہوتی ہے۔

اگرچہ یہ غزل کے مطلع سے مماثل صنفِ سخن ہے ، لیکن اصلاً اور مزاجاً اس سے بہت مختلف ہے۔ اس کی زبان، بحر، مضامین اورخاص اُسلوب اسے ہر دوسری صنف سے جُدا کرتے ہیں۔ محض برج بھاشا یا پھر ہندی الفاظ پر مشتمل کوئی شعر دوہا نہیں کہلاسکتا اور نہ اس کے بنیادی آہنگ تبدیل کرکے کی گئی شاعری دوہا ہوسکتی ہے۔ دوہا کے ثقہ بند کوی اس کے مخصوص اوزان اوراُن میں بھی خاص مہارت کو ہی اہم سمجھتے ہیں۔ بسرام ہمیشہ مکمل لفظ پر ہی دُرست تسلیم کیا جاتا ہے، شکستِ لفظی یہاں جُرم خیال کی جاتی ہے۔ ماہرین کی آرا میں اس کا آہنگ، وزن یابحر دیکھنالازم ہے۔

دوہے کا آہنگ / دوہا چھند:

بنیادی طور پر دوہا کو عروضی صنفِ سخن تسلیم کیاجاتاہے۔ اس میں بڑی مہارتیں درکار ہوتی ہیں۔ ماہرینِ دوہا نے اس کے لیے بنیادی آہنگ "دوہا چھند" موزوں قراردیا ہے۔ اسی وزن میں بیشتر کلاسیکی دوہا کہا گیا ہے۔ اکا دُکا مثالیں اس سے باہر نکلتی ہوں گی۔ اس چھند کے تحت دوہا چارحصوں پر مشتمل ہوتاہے۔ پہلااورتیسرا حصہ تیرہ تیرہ ماتراؤں کو محیط ہوتا ہے اوردوسرا اور چوتھاگیارہ گیارہ ماتراؤں کو۔ ایک پنکتی(مصرع) چوبیس ماتراؤں کی حامل ہوتی ہے اورپورے دوہے میں اڑتالیس ماترائیں ہوتی ہیں۔ ہندی کے اس عروضی نظام کو"پنگل" کہا جاتا ہے۔ اساتذۂ فن نے جومعیارات مقرر کیے ہیں، انھیں درج کرنے سے پہلے ذرا"پنگل" کی کتھا دیکھ لینی چاہیے:

انسانی تاریخ کے کسی عہد میں پنگل نامی سانپ نے زمین پر ازحد ظلم کیا۔ اس کا ظلم گروڑ[نیولا] سے برداشت نہیں ہوا۔ ویسے بھی گروڑ اور سانپ کی ازلی دشمنی ہے۔ گروڑ سانپ کوختم کرنے پر آمادہ ہوا۔ سانپ نے جب موت کوسامنے پایاتواس نے گروڑ سے کہا کہ میرے پاس ایک علم(ودیا)ہے۔ مجھے مارنے سے پہلے وہ آپ لے لیجیے۔ گروڑ سے مہلت پا کروہ پنگل نامی سانپ چھندودیا(علم عروض) لکھنے لگا۔ اس طرح چھند ودیا یا پنگل شاستر کا جنم ہوا۔[۳۳]

ہندی مذہب کی اساس داستانوں پر اُستوار ہے،پھراَدب میں ایسی مضحکہ خیزیاں درآناکچھ عجب نہیں۔آج شاید ہی کوئی اس بات کوتسلیم کرے، لیکن یقیناًان کے یہاں اسے قبول کیاگیا،اس لیے آج تک نقل ہورہاہے۔یہاں اگر کوئی پختہ شہادت، منطقی دلائل اورشعوروعقل کی کوئی بات ہوتو تسلیم بھی کی جائے۔لیکن پنگل کایہی پس منظر ہے۔

اب دوہا کے وزن سے متعلق مثالیں دیکھیے:

رفیق شاہین:

اَپ بھرنش بھاشا بحر و وزن اور ساخت و ہیئت کے استحکام پر زور دیتی تھی، لہٰذا دوہا چھند کے خد و خال اسی دور میں واضح ہو گئے تھے اور دورِ ابتدا میں اگرچہ الگ الگ اوزان اور جدا جدا ماتراؤں میں دوہے تخلیق کیے جاتے تھے، لیکن جلد ہی۱۱+۱۳=۲۴ماتراؤں میں دوہا کی موزونیت کو صحیح الوزن قرار دیاگیا ہے۔(۳۴)

ڈاکٹر ظفرعمرقدوائی:

اس کا ہرمصرعہ دو ارکان وشم چرن اورسم چرن میں منقسم ہوتا ہے۔دونوں چرنوں کے درمیان ہلکا سا توقف ضروری ہے۔پہلے چرن میں تیرہ اور دوسرے چرن میں گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں، یعنی اس کا ہر مصرعہ چوبیس ماتراؤں کا ہوتا ہے۔(۳۵)

ڈاکٹر جمیلہ عرشی:

دوہے کی بحر ویسے بھی لنگڑی بحر کہلاتی ہے، کیونکہ اس کا ہر مصرعہ تیرہ اور گیارہ ماتراؤں کے دو ٹکڑوں سے بنتا ہے۔(۳۶)

ڈاکٹر وزیر آغا:

دوہے کی ہرلائن دو لخت ہوتی ہے اور دوہا نگارکاکمال یہ ہے ،کہ وہ دوہے کی ہر لائن میں بسرام کااہتمام توکرے مگراس خوبصورتی کے ساتھ کہ لائن کے دولخت ہونے کااحساس تک نہ ہو۔(۳۷)

ڈاکٹر سلیم اختر:

غالباً آغاز میں دوہا بھی لوک کتھا اور لوک گیت کی مانند صرف لوک بانی ہوگا۔لیکن بعدمیں باقاعدہ صنف کی صورت اختیار کرلی،اس کے لیے ''پنگل'' مخصوص ہوا اور۲۴ ماتراؤں پر مخصوص دوہا چھند طے پاگیا۔(۳۸)

عارف منصور:

ماتراؤں کے اعتبار سے اس کے مصرعوں کی تقسیم کچھ یوں ہوتی ہے ،کہ پہلا ٹکڑا ۱۳ ماترائیں، دوسراٹکڑا ۱۱ ماترائیں،اسی طرح دوسرے مصرعے کا پہلاٹکڑا ۱۳ ماترائیں اور دوسرا ٹکڑا ۱۱ ماترائیں، گویا ایک مصرعے میں ۲۴ ماترائیں اور پورے دوہے میں ۴۸ ماترائیں ہوتی ہیں۔(۳۹)

محمد سالم:

اس[دوہا] کو دو مصرعوں والا چھند کہاجاتاہے۔عروضی اعتبار سے یہ ایک مشکل فن ہے ،اگر اس کے مخصوص چھند کے تعلق سے کہیں سہو ہوجائے تووہ دوہا نہیں کہلائے گابلکہ کچھ اور ہوجائے گا۔(۴۰)

ڈاکٹر مناظر عاشق ہر گانوی:

دوہے کی شرائط میں یہ بھی ہے، کہ پہلے اور تیسرے جز میں جگن یا فعول نہیں آناچاہیے اور دوسرے اور چوتھے جز کے آخر میں لگھو ماترا آنا ضروری ہے، یعنی فاع کے وزن پر مصرع ختم ہوناچاہیے یاجگن(فعول) پر۔(۴۱)

جمیل عظیم آبادی:

دوہا نگاری کے لیے ہندی میں"دوہاچھند "کے نام سے ایک مخصوص چھند ہے ... چھند کا ہر مصرعہ[مصرع] دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔پہلے کو سم اوردوسرے کووشم کہتے ہیں۔اس کے علاوہ چھند کے کچھ بنیاد ی اُصول ہیں،جن پرکاربندہوناضروری ہے،جس کو چھند کی اصطلا ح میں"ورام" یعنی وقفہ کہتے ہیں۔ورام پورے لفظ پر ہونا چاہیے۔دوہے کے مصرعوں میں شکست ناروا کی اجازت نہیں۔(۴۲)

شفیق احمد شفیق:

دوہے کا مصرعہ چوبیس ماتراؤں پر محیط ہوتا ہے۔جس کا پہلاجز بڑا یعنی تیرہ ماتراؤں پر مشتمل ہے، درمیان میں وقفہ اوردوسرا جز جو نسبتاً چھوٹا ہوتا ہے،اُس میں گیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔بالکل اسی طرح دوسرے مصرعے میں تیرہ ماترائیں،وقفہ اورگیارہ ماترائیں ہوتی ہیں۔(۴۳)

شارق بلیاوی:

دوہے کو دوہے کی صنفی ہیئت میں لکھا جائے تو بہتر ہے۔جو ۲۴۔۲۴ یعنی اڑتالیس ماتراؤں پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر مصرع کا پہلاجز۱۳ ماتراؤں اور دوسرا جز گیارہ ماتراؤں اور مکمل وقفہ کے ساتھ ہوتاہے۔ساتھ ہی پہلے اور تیسرے جز کے آخر میں سبب خفیف اور دوسرے اور چوتھے جز میں وتدمفروق(فاع) آناضروری ہے۔(۴۴)

ڈاکٹر فراز حامدی:

دوہے کاایک مخصوص وزن ہے، ایک مخصوص بحر ہے (۱۱+۱۳= ۲۴ ماترائیں) اور ایک مخصوص آہنگ ہے۔ مزید وضاحت کے لیے خاکساریہاں اپنا ایک دوہا پیش کرناضروری سمجھتا ہے، تاکہ شائقین اَدب اس دوہے کی روشنی میں دوہے کی سیدھی سادی اورآسان تعریف سے واقف ہو سکیں:

تیرہ گیارہ ماترا، بیچ بیچ وشرام
دو مصرعوں کی شاعری ، دوہا جس کا نام (۴۵)

ڈاکٹر ساغر جیدی:

ہندی پنگل میں دوہے کے وزن کا یہ اصول بیان کیا گیا ہے"جان وشم تیرہ کلا، سم شودوہامول"... یہ لازمی ہے کہ دوہے کا ہر مصرعہ تیرہ ماتراؤں +گیارہ ماتراؤں پر مشتمل ہو۔جس طرح کے شجرۂ اخرب، شجرۂ اخرم کے اوزان کی پابندی رباعی کے مصرعوں پر ہے ، بعینہٖ دوہے کے لیے بھی مذکورہ بالا ارکان کی ترتیب وتعداد کالحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جس سے مفر ممکن نہیں۔(۴۴)

بشریٰ اعجاز:

دوہے کے ایک مصرعے میں۲۴ماترے ہوتے ہیں۔۱۳پہلے حصے میں اور۱۱ ماترے دوسرے حصے میں۔(۴۷)

ڈاکٹر محمد طہور خان پارس:

دوہا ہندی کاایک معروف چھند ہے جو ہندی کی پہچان بھی ہے، یہ بات تسلیم شدہ ہے، کہ دوہااَپ بھرنش کا اپنا مخصوص وزن ہے... ہندی میں تواس کا نام بھی "دوہاچھند " ہے۔اُردو میں ابتدائی دور ہی سے اس کے لیے مخصوص بحر(فعلن فعلن فاعلن ،فعلن فعلن فاع) میں دوہے کہے جاتے رہے ہیں۔(۴۸)

ڈاکٹر گیان چند جین:

دوہا ہندی کا یہ وزن ۲۴ ماترا کا ہوتا ہے،جس میں دو جز ہوتے ہیں۔پہلا۱۳ ماتراکا،دوسرا ۱۱ ماترا کا۔اس کے آخر میں "فاع " کا آنا ضروری ہے۔اُردو میں اس کے جزو اول اورجزو دوم کے یہ ارکان ہوسکتے ہیں:

	جزو اول		جزو دوم
۱...	فعلن فعلن فاعلن	۱...	فعلن فعلن فاع
۲...	فعلن فعلن فاعلن	۲...	فعلن فعل فعول
۳...	فعلن فعولن فاعلن	۳...	فعلن فعلن فاع
۴...	فعل فاعلن فاعلن	۴...	فعلن فعل فعول
۵...	فعل فعولن فاعلن	۵...	فعل فعولن فاع
۶...	فعل فاعلن فاعلن	۶...	فعل فعولن فاع
		۷...	فعل فعول فعول
		۸...	فعل فاعلن فاع

یہ ترتیب دینے کے بعدڈاکٹر گیان چند جین یوں رقم طراز ہیں:

جزوِ اول کے کوئی سے ارکان اور جزوِدوم کے کوئی سے ارکان کا اجتماع کردیجیے۔اس طرح دوہے کے ۵۴ اوزان حاصل ہوں گے۔(۴۹)

ڈیڑھ درجن علمائے اَدب کی آراءیہ ظاہر کرتی ہیں، کہ روایتی اور صحیح وزن ۲۴ ماتراؤں کاحامل ہے۔تیرہ ماترائیں گذرجائیں تو وقفہ لازم ہے۔پھرگیارہ ماترائیں ہوں گی اورآخر میں"فاع" یا "فعول" کاالتزام لازم ہے۔اگر یوں وزن کا اہتمام نہیں کیاجاتاتودوہا اپنی بحر سے ہٹ جائے گا۔دوہا کوعروضی صنف اسی لیے کہاجاتاہے، کہ اس میں پنگل کے نظام کا پورادھیان رکھاجاتاہے۔جس کی طرف محمد سالم نے اشارہ کیاہے۔اگر معمولی سہو بھی سرزد ہوتا ہے، تودوہا دوہا نہیں رہتا کچھ اور ہوجاتاہے۔

ہندوستان میں عمومی طور پراسی وزن کی پاس داری کی جاتی ہے۔پاکستان میں سینئرشعرا ءمیں خواجہ دل محمد، ڈاکٹر الیاس عشقی اور چند ایک دوسروں نے اس کی مکمل پابندی کی۔نئے دور کے لکھنے والوں میں تاج قائم خانی نے اسی وزن کو اختیارکیا،جب کہ ڈاکٹر عرش صدیقی نے منہ کاذائقہ بدلنے کے لیے اس میں اٹھارہ دوہے کہے،جوان کی کتاب "کملی میں بارات" میں شامل ہیں۔ڈاکٹرطاہرسعید ہارون نے بھی اس وزن کوبرتا ہے ، اوربڑی تعداد میں دوہے کہہ کر الگ مجموعے بھی شائع کروائے مگراس کے ساتھ ساتھ انھوں نے"سرسی چھند" بھی اختیار کیا۔نئے دوہا نگار خاورچودھری نے اب تک اسی وزن کی پاس داری کی ہے۔لیکن اس چھند کوماضی میں بھی چھوڑنے والے موجود تھے اورآج بھی ہیں۔ پاکستان میں تو ایک بڑی تعدادنے"سرسی چھند" میں ہی دوہا کہا۔اس قبیلے کے سرخیل جناب جمیل الدین عالی ہیں۔انھوں نے سب سے پہلے اس چھند کواختیار کیاا ورجب اس پراعتراضات ہوئے توان کے مقلدین نے اسے"عالی چال" قرار دیا۔ اس وزن کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھاگیا۔

پنگل کی اصطلاح میں "لگھو"یک حرفی اور"گرو" دو حرفی آوازوں کے لیے مستعمل ہے۔رویندر سہائے ورما نے اپنی کتاب"پراکرت پینگلم" میں ان آوازوں سے بننے والی بحر کو۲۳ صورتیں دی ہیں، جو کلی طور پر ۴۸ ماتراؤں کاہی احاطہ کرتی ہیں، ان کو الگ ناموں سے سجا کر ایک طرح سے انھیں دوہا کی الگ قسم بنادیا گیا ہے،ملاحظہ ہو:

۱...	بھرمر	= ۲۲ گرو+ ۴ لگھو	= ۴۸ ماترائیں
۲...	سبھرامر	=۲۱گرو +۶ لگھو	=۴۸ ماترائیں
۳...	مشربھ	=۲۰گرو +۸ لگھو	=۴۸ماترائیں
۴...	شین	=۱۹گرو +۱۰ لگھو	=۴۸ماترائیں
۵...	منڈوک	=۱۸گرو +۱۲ لگھو	=۴۸ماترائیں
۶...	مرکٹ	=۱۷گرو +۱۴ لگھو	=۴۸ماترائیں
۷...	کربھ	=۱۶گرو +۱۶ لگھو	=۴۸ماترائیں
۸...	نر	=۱۵گرو +۱۸ لگھو	=۴۸ماترائیں
۹...	ہنس	=۱۴گرو +۲۰ لگھو	=۴۸ماترائیں

۱۰... گیند =۱۳گرو +۲۲ گھو =۴۸ماترائیں
۱۱... پیودھر =۱۲گرو +۲۴ گھو =۴۸ماترائیں
۱۲... چل/بل =۱۱گرو +۲۶ گھو =۴۸ماترائیں
۱۳... بانر =۱۰گرو +۲۸ گھو =۴۸ماترائیں
۱۴... ترکل =۹گرو +۳۰ گھو =۴۸ماترائیں
۱۵... کچھپ =۸گرو + ۳۲گھو =۴۸ماترائیں
۱۶... مچھ/تیسہ =۷گرو +۳۴ گھو =۴۸ماترائیں
۱۷... شاردول =۶گرو +۳۶ گھو =۴۸ماترائیں
۱۸... اہیو =۵گرو +۳۸ گھو =۴۸ماترائیں
۱۹... ویال =۴گرو +۴۰ گھو =۴۸ماترائیں
۲۰... وڈال =۳گرو +۴۲ گھو =۴۸ماترائیں
۲۱... شوان =۲گرو +۴۴ گھو =۴۸ماترائیں
۲۲... اُدر =۱گرو +۴۶ گھو =۴۸ماترائیں
۲۳... سُرپ = ۰گرو ۴۸+ گھو =۴۸ماترائیں(۵۰)

۲۴ماتراؤں پر مشتمل وزن میں قدمامیں سے بعض کے دوہے بہ طورسند ملاحظہ ہوں:

کبیر:

چلتی چکی دیکھ کر ، دیا کبیرا روئے
دو پاٹن کے بیچ میں ، ثابت رہا نہ کوئے

کال کرے سو آج کر ، آج کرے سو اَب(۵۱)
پل میں پرلے ہوئے گی ، پھیر کرے گا کب

بہاری:

پیتم یہ مت جانیو ، توہے بچھڑت موہے چین
گیلے بن کی لاکڑی ، سلگت ہوں دن رین (۵۲)

رحیمن:

بگڑی بات بنے نہیں لاکھ کرو کن کوئے

رحیمن بگڑے دودھ کو متھے نہ ماکھن ہوئے[۵۳]

لیکن ا س احتیاط کے باجود قدما کے کلام میں بھی ارکان کی کمی بیشی اور دوسرے اوزان کی مثالیں مل جاتی ہیں۔ پھر ایک اور بات بھی ہے ، جو وزن عربی بحور میں سے نکال کر دوہا پر منطبق کیاگیا ہے،وہ بعض جگہوں پر کلاسیکی شاعری کے ماتراؤں کو ٹھیک طرح نہیں پرکھ پاتا یااُن کی جگہ لے سکتا۔اس لیے ہندی ماترائی نظام سے جب تک پوری آشنائی نہ ہو بات نہیں بنتی۔ایسا نہیں ہے ،کہ قدیم شاعراس بات سے واقف نہیں تھے، بلکہ تب اسے شاید جائز سمجھا جاتاتھا۔عارف منصور نے اس باریکی کوایک جگہ یوں واضح کیا ہے:

"سُر یاماترا ایک حرکت ہے۔یوں ایک ماترائی سُر لگھو کہلاتاہے اور دو ماترائی سُر کو گرو کہتے ہیں۔ آگے زیادہ ماتراؤں کے مرکب سُروپرگھ کہلاتے ہیں۔اب لگھو، گرو وغیرہ کی بنیاد پرہندی عروض میں ایک نظام بنایا گیا ہے جسے 'گن' کہتے ہیں۔اس میں لگھو اور گرو کے ملاپ کے فرق سے مختلف بحریں جگہ پاتی ہیں۔ مختصراًہم ان کے بارے میں یوں سمجھ سکتے ہیں:

۱... پگن۔اس میں پہلے لگھو ہے پھر گرو۔ گویا اسے پڑھیں گے ... پگانا

۲... مگن۔اس میں تین گرو ہیں،اسے پڑھیں گے... ماگانا

۳... بھگن۔اس میں پہلے گروپھر دو لگھو ہیں اور اسے پڑھاجائے گا...بھاگن

۴... نگن۔اس میں تین لگھو یکجا ہیں یعنی یہ نگن ہی پڑھا جائے گا۔

۵... جگن۔اس میں پہلے لگھوپھر گروپھر لگھو...اوراسے پڑھیں گے...جگان

۶... رگن۔اس میں پہلے گرو پھر لگھوپھر گرواورپڑھاجائے گا... راگنا

۷... سگن۔اس میں پہلے دو لگھو پھر ایک گرو اور پڑھیں گے... سگنا

۸... تگن۔اس میں پہلے دو گرو پھر ایک گرو اوراسے...تاگان... پڑھیں گے۔

ہندی عروض کے شاستری اس بات پر مصر ہیں کہ ہندی دوہے کے بے شمار اوزان ہیں مگران میں سے ۲۳ اوزان دوہے کے شاعروں میں زیادہ مروج ہیں۔ان سب میں ایک خاص بات یہ ہے، کہ لگھو یا گرو کی تعداد میں فرق پڑسکتا ہے مگر کل ماترائیں ۴۸ ہی رہتی ہیں۔"[۵۴]

"پراکرت پینگلم"سے ان اوزان یاماترائی ترتیب کی فہرست پہلے ہی وضاحت سے دی جاچکی ہے۔پنگلوں کی اسی گنجلک اورالجھنوں کی وجہ سے ڈاکٹرعرش صدیقی نے یوں کہاتھا:

"بابا فرید کے بیشتر دوہوں کاآغاز"فریدا" سے ہوتا ہے۔"کرشن " کی طرح پنگل میں شاید'ر' تخفیف میں آ جائے۔میں نہیں سمجھتا کہ فریدا کی 'ر' کو کسی بھی اصول کے تحت اُردو میں ساکن قرار دیا جاسکے یا اسے حذف کیا جاسکے۔ اس لیے میرا خیال ہے، کہ ان دوہوں کے پہلے مصرعوں کی تقطیع دوہاچھند کے حساب سے تو کی جاسکتی ہے، لیکن فریدا کو

"فعلن" میں نہیں لایاجاسکتا۔یعنی جو لفظ ہندی عروض کے حساب سے درست ہوں، لازم نہیں کہ اُردو میں تقطیع کے نظام میں آسکیں..... پنگل ہماری آج کی شاعری کا احاطہ نہیں کرسکتا۔"(۵۵)

یہ بیان دراصل ہندی پنگل کے نظام اور بجائے خود ہندی زبان سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔جہاں تک اس کے عربی بحروں پراطلاق کا سوال ہے توعرش صدیقی کی بات حرف بہ حرف دُرست ہے۔لیکن شاعری پر اس بات کو یوں نہیں منطبق کیاجاسکتا۔ڈاکٹر اعظم کُریوی نے ہندی اوراس کے اوزان سے دُوری پر طویل بحث کے بعد اپنا دُکھ یوں ظاہر کیاتھا:

"حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک ہم نے ہندی شاعری سے اُردو دُنیا کو بخوبی واقف نہیں کیا۔ایران توران اور انگلستان تک ہماری دوڑ دھوپ رہی ہے لیکن اپنے وطن کی جیسی چاہیے ہم نے خبر نہیں لی۔ہماری نظر سیفی و ناصر کے عروض پرر ہی ، ان کی تقلید کا شوق رہا لیکن ہندی"پنگل"(فن عروض) ، "انتراس"(فن قافیہ)اور"کابیہ" (فن شعر) سے شناسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ہمیں فارسی، عربی کے ساتھ ساتھ ہندی ذخیروں سے بھی کام لینا چاہیے۔"(۵۶)

انھوں نے یہ بات ۱۹۳۱ء سے پہلے کہی تھی ، کیوں کہ اس سال توان کی کتاب شائع ہوچکی تھی،جس میں یہ ذکر موجود ہے۔قاعدہ ہے ،جب ہم نے غزل کے لیے تغزل سمیت اُس کے جملہ موضوعات ، ہیئت اور فن کو اپنایا ہے تو اسی قاعدے کے مطابق ہمیں دوہا کے باب میں بھی رجوع کرنا چاہیے۔غزل غزل ہی رہی ہے،اُسے کوئی نیا نام نہیں دیاگیا، بعینہٖ دوہا بھی دوہا ہی رہناچاہیے،اس کے ساتھ سابقوں لاحقوں کی ضرورت نہیں تھی۔ہم اپنے عجز یا پھر بے رغبتی کواصناف کی بُرائیوں کی صورت میں دیکھیں گے تواس سے ہمارے بیمارذہن آشکار ہوں گے۔

اس سے پہلے کہ پاکستان میں عمومی رائج"سرسی چھند" کی وضاحت کی جائے، لازم ہے ،کہ پہلے دوہوں کی رائج اقسام دیکھ لی جائیں۔یوں سرسی چھندتک رسائی اوراس کی تفہیم اورقبولیت میں آسانی ہوجائے گی۔یہ اقسام اور بحوری امتیازبجائے خودسرسی چھند کو تسلیم کرلینے کابڑا جواز ہیں۔یہ اس لیے بھی ضروری ہے ، کہ ہمارے یہاں اس بحث نے نزاع کی صورت اختیار کرلی تھی،زیادہ ترلکھنے والوں نے دوہا کے مضامین،اُسلوب اور جذبات واحساسات کو نظرانداز کرکے سارا زور اس کی ہیئت اوروزن پر ہی خرچ ڈالا۔ذرا یہ اقسام دیکھیے:

چوالیس حرفی دوہا:

(دوہرا)

قدیم دوہوں میں ایک ایک ماترا کم کردی جائے تووہ "دوہرا" کہلاتا ہے۔البتہ بہاری لال نے دوہا اور دوہرا ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے۔اُردو میں بھی یہ دونوں‌ایک ہی مفہوم میں مستعمل ہیں۔بہاری سے منسوب یہ دوہا ملاحظہ ہو:

ست سیا کے دوہرا ، جیوں ناوک تیر
دیکھت ات چھوٹے لگیں ، گھاؤ کریں گمبھیر

(بہاری رتناکر،ضمیمہ ۲، دوہا۹۵،ص ۴۱)

چھیالیسی حرفی دوہا:

(وِدوُہا یابِدوَہا)

اڑتالیس حرفی دوہے کے دوسرے اورچوتھے مصرعوں کے آخر میں آنے والے لگھو حرف کو حذف کرکے ہر حصہ میں۲۳ ماترائیں رکھنے سے دوہا بن جاتا ہے۔مثال دیکھیے:

محمد سرور پریم کا رحمت اللہ بھریا
بابن جیوڑا وار کر ، سر آگیں دھریا
(بحوالہ چھندپربھاکر،ص ۸۷)

پچاس حرفی دوہا:

(مکتافن)

اڑتالیس حرفی دوہے کے طاق مصرعوں کے آخر میں آنے والے لگھو ماترا کی جگہ گرو ماترا رکھی جائے اور اس طرح فی سطر ۲۵ ماترائیں ہوں تواس کومکتافن دوہا سمجھا جاتا ہے۔مثال ملاحظہ ہو:

میرا مجھ میں کچھ نہیں / جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتا / کیا لاگے ہے میرا
(کبیر گرنتھاولی،ص ۱۴)

باون حرفی دوہا:

(دوہی)

اڑتالیس حرفی دوہے کے پہلے اور تیسرے مصرعوں میں تیرہ تیرہ ماتراؤں کی بجائے پندرہ پندرہ ماترائیں رکھنے سے"دوہی" بن جاتا ہے۔مثال دیکھیے:

سب کے حسن میں کھوٹ ہے / سب کی کھوئی چال
کون لگاوے جیا آپنا / ان لوگاں دے نال
(دیوان ظفر،جلد سوم، لکھنو۱۸۷۲ء ، ص ۲۱۶)

چون حرفی دوہا:

(ہری پد)

اڑتالیس حرفی دوہے کے طاق مصرعوں میں تین تین ماتراؤں کااضافہ کرکے چون حرفی دوہا بنا لیاجاتا ہے۔پرتو روہیلہ کے دوہو ں سے مثال ملاحظہ ہو:

ساجن تم جھوٹے نکلے / جھوٹی تمھاری پیت
برہ نے میرا ساتھ نہ چھوڑا / کیسی سچی میت
(رین اجیارا)

چھپن حرفی دوہا:

(دودَے)

ہندی پنگل میں اسے"سارچھند" بھی کہاجاتاہے۔اس کے ہرمصرعے میں اٹھائیس ماترائیں ہوتی ہیں اور ہر مصرعے کے درمیان سولہویں ماترا کے بعدنیم وقفہ ہوتا ہے۔مصرعے کے آخر میں اگر گرو ماترا آئے تو آہنگ خوشگوار ہوتا ہے۔بہادرشاہ ظفر کا یہ دوہا دیکھیے:

جن کے پیچھے جگ وچ ہم نے / اپنا سب کچھ کھویا
انت سمے ان اپنوں میں سے / اپنا کوئی نہ ہویا
(دیوان سوم)

غیر مساوی الوزن یا آزاد دوہا:

اس میں ہر دوسطریں الگ الگ ماتراؤں کی حامل ہوتی ہے۔پہلا مصرع اگر چوبیس ماتراؤں پر ہے تو دوسرا ستائیس کا ہوسکتاہے۔پہلا چھبیس اور دوسرا تیس ماتراؤں کاہوسکتا ہے۔الگ الگ ماتراؤں کی یہ مثال دیکھیں:

فریدا کالے مینڈے کپڑے / کالا مینڈا ویس
گنہی بھریا میں پھراں ، لوک کہن درویس

پنچ کھنیا دوہا:

(مستزاد دوہا)

پنچ کھنیا کا مطلب ہے پانچ ٹکروں والا۔عموماً دوہا چار ٹکڑوں میں لکھا جاتا ہے۔اس کے دو طاق اور دو جفت حصے ہوتے ہیں۔اگر دوہے کے آخر میں جفت مصرعے کے ہم وزن اور ہم قافیہ مصرع بڑھا دیا جائے تو وہ پنچ کھنیا دوہا کہلاتا ہے۔اس کو مستزاد دوہا بھی کہا جاسکتا ہے۔مثال دیکھیے:

طوفانی دریا ہے اور ، مہینوال اس پار
کچے گھڑے کا ساتھ ہے ، سُہنی اور منجدھار
کون لگائے پار
(دوہا ہزاری۔ص۱۹۴)

چھے کھنیا دوہا:

(مستزاددوہا)

یہ چھے ٹکڑوں پر مشتمل دوہا ہے اور مستزاد کی صورت میں ہے۔ہر دو بڑے ٹکڑوں کے بعد ایک مستزاد کا ٹکڑا لگا دیاجاتا ہے۔الیاس عشقی کے یہاں اس کی مثال ملاحظہ ہو:

مت پوچھو کیسا لگا ، گئی رات بازار
جمع تھے سب زردار
بڑھی نہ بولی بک گئی ، سستی سُندر نار
ضائع گئی پکار
(دوہاہزاری۔ص۱۹۶)

تونبیری دوہا:

اگرچہ دوہوں کی یہ قسم اڑتالیس ماتراؤ ں کو ہی محیط ہے، لیکن اس میں خاص امتیاز یہ ہے کہ اس کادوسرا اور تیسرا جزو ہم قافیہ ہوتے ہیں،جب کہ عموماً دوسرا اور چوتھاجزو ہم قافیہ ہوتے ہیں۔یہ دوہا دیکھیے:

سہنا تیز ہواؤں کا ، مانجھی پوت کی ریت
گئی "عمریا بیت" بادبان کرتے رفو
(دوہا ہزاری۔ص ۱۸۹)

بڑادوہا:

یہ بھی اڑتالیس ماتراؤں پر مشتمل دوہا ہے، لیکن یہ روایتی دوہے سے یوں مختلف ہے کہ اس کا پہلا اور چوتھا جزو ہم قافیہ ہوتے ہیں۔مثال یہ ہے:

پیا جب آئے پاس ، کیا کیا سوچے دل میرا
بھول نہ جاؤں ملن سے پیا درشن کی آس
(دوہاہزاری۔۱۹۱)

کھرا دوہا:

یہ بھی اڑتالیس ماتراؤں پر مشتمل ہے، لیکن اس کاخاص وصف چاروں اجزا کا ہم قافیہ ہوناہے۔پہلا اور تیسرا، دوسرا اور چوتھا جزو آپس میں ہم قافیہ ہوتے ہیں۔یہ دوہا دیکھیے:

یہ کجرارے سے نین / باس اُبٹن کیسر ملی

کر کے من بے چین / بن ٹھن میلے میں چلی

(دوہا ہزاری۔ص۱۹۳)

ان مثالوں سے یہ نتیجہ نکلتاہے ، کہ دوہے کی بحرایک چھند کی پابند نہیں رہ سکی، جہاں اُسے پابند بھی کیاگیا، وہاں اُس نے اندرونی تجربات کیے جوآخری تینوں‌مثالوں سے واضح ہیں۔اسی طرح پنچ کھنیااورچھے کھنیادوہوں میں بھی اس نے مستزاد کی صورت میں نئی راہ بنائی۔اب سرسی چھند (پاکستان میں عالی چال) کے ضمن میں معروضات پیش کی جائیں گی،پہلے ڈاکٹر سمیع اللہ اشرفی کی یہ رائے دیکھ لی جائے:

"دوہا ہندی کا ایک قدیم چھند ہے ، جس کی مثالیں پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کی پراکرت شاعری میں بھی مل جاتی ہیں ، لیکن اپ بھرنش میں اس کاباقاعدہ آغاز نویں صدی عیسوی کے آغاز میں ملتا ہے۔جن میں ماتراؤں کی ترتیب وہی ہے ، جن کاذکرابھی کیا جاچکا ہے۔یعنی پہلے اور تیسرے مصرعے میں تیرہ تیرہ اور دوسرے اور چوتھے مصرعے میں گیارہ گیارہ ماترائیں۔مگر ہندی کے کچھ قدیم شعرا نے اس ترتیب سے انحراف بھی کیا ہے۔ملک محمد جائسی کے بعض دوہوں میں پہلے اور تیسرے مصرعوں میں‌بارہ بارہ اوردوسرے اور چوتھے مصرعوں میں گیارہ گیارہ ماترائیں ہیں۔تلسی داس کے یہاں بھی دوہے کی کچھ ایسی مثالیں ملتی ہیں،جن کے طاق مصرعوں میں بارہ بارہ اور جفت مصرعوں میں گیارہ گیارہ ماترائیں ہیں۔[۵۷]

سرسی چھند:

اس کی ابتداپاکستان میں اگرچہ جمیل الدین عالی کے دوہوں سے ہوئی مگراس کے استرداد اور قبولیت میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا۔خصوصاً اس کے حق میں اور دوہا چھند کی نفی میں جناب ڈاکٹرعرش صدیقی نے طویل مضمون "پاکستان میں اُردو دوہا" لکھا۔ممکن ہے اُن کی دوہاچھند سے یہ پرخاش حقیقت میں جمیل الدین عالی کے اپنائے گئے وزن کے دفاع کا نتیجہ ہو۔وہ اپنے مضمون کے باب"اُردو دوہے کی بحر" کاآغازیوں کرتے ہیں:

"جمیل الدین عالی کے دوہوں کی مقبولیت کے استحکام کے برسوں بعداعتراض ہوا کہ عالی نے دوہے نہیں کچھ اور لکھا ہے۔اعتراض یہ تھا کہ عالی نے دوہے کی وہ "مخصوص بحر" استعمال نہیں کی جس میں۴۸ ماترائیں ہوتی ہیں، بلکہ سرسی چھند میں شاعری کی ہے جس میں۵۴ ماترائیں ہوتی ہیں۔

آگے چل کرکہتے ہیں:

"پھر یہ اعتراض تحریر میں آگیا۔لیکن اس وقت تک اس بحر میں دوہا کہنے والے کئی صاحبان علم اور معروف شاعر سامنے آچکے تھے اور دوہوں کے مجموعے بھی شائع کروا چکے تھے اور دوسرے بہت سے شعرا ان کی تقلید کررہے تھے۔بھارت کے ڈاکٹر عنوان چشتی نے اپنی کتاب"اُردو شاعری میں ہیئت کے تجربے" میں یہ اعتراض واضح طور سے کیا۔ یہ کتاب عالی کے دوہوں کی روایت پوری طرح مستحکم ہونے کے طویل عرصہ بعد چھپی تھی۔ڈاکٹر عنوان چشتی نے کتاب

کے چوتھے باب میں"اُردومیں ہندی کے چھند" کے ذیلی عنوان کے تحت لکھاتھا:
جمیل الدین عالی نے سرسی چھند میں بہت خوبصورت مطلعوں کی تخلیق کی ہے۔مگر ڈاکٹرعبدالوحید (یقیناً ڈاکٹر وحید قریشی) نے سرسی چھند کو دوہے کہا ہے۔یہ دوہے نہیں بلکہ سرسی چھند ہیں۔

پاکستان میں یہ اعتراض تحریری طور پر عالی کے دوہوں کی اشاعت کے چھبیس برس بعد ہوا جب عالی کے دوہوں کی بحر میں لکھنے والوں کی تعداد خاصی ہوچکی تھی۔کیا ربع صدی سے زیادہ عرصہ آج کے زمانے میں کسی ادبی روایت کو مستحکم کرنے اور قبول بنانے کے لیے کافی نہیں؟ یہ تو وہ دور ہے جب تحریکیں چند برس سے زیادہ کم ہی چلتی ہیں۔

سیدقدرت نقوی نے اپنے مضمون"دوہا" مطبوعہ ماہنامہ تخلیق شمارہ ۵/۶سال۱۹۸۴ء میں دوہاچھند کی روایتی خصوصیات کو تفصیلی طور پر دہرانے اور۲۴ ماتراؤں کی شرط کو لازمی قراردینے کے بعد امیر خسرو سے لے کر خواجہ دل محمداور خود سیدقدرت نقوی تک مختلف شعرا کے دوہے مثال کے طور پر پیش کیے اور لکھا کہ:

یہ سب دوہے اس عام روش کے مطابق ہیں جو بابا فرید شکرگنج سے لے کر اب تک مروج ہے اور مستند مانی جاتی ہے۔ہمارے بزرگوں نے اس صنف کو اپنے دل کی بات اورجذبات عوام تک پہونچانے کا ذریعہ بنایا۔اس کے متوازی ایک اور روش بھی پائی جاتی ہے۔جس کو کہاتو دوہا جاتا ہے۔مگر فی الحقیقت وہ دوہا نہیں ہے۔اس دوسری روش میں بھی دوہے کی طرح چارٹکڑے اور بسرام ہوتا ہے۔مگر ماتراؤں کی تعداد دوہے کے مطابق نہیں ہوتی۔ٹکڑے اور بسرام کو اور اصناف میں بھی ضروری قرار دیاجاتا ہے۔مگران میں بھی ماتراؤں کی قید ہوتی ہے۔دوسری روش جسے دوہا کہا گیا ماتراؤں کے اعتبار سے کسی بھی صنف میں شمار نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس میں یکسانیت نہیں۔ماتراؤں کی کمی بیشی کی وجہ سے دوہا کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔آج کل کے معروف دوہا نگار زیادہ تراسی روش کے مطابق دوہا لکھ رہے ہیں۔ان کو دوہا نہیں بلکہ شعر یا فرد کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔متقدمین اورمتاخرین نے تو غالباً دو مصرعوں کی بنا پر دوہا یا دوہرا کہہ دیا۔ان کی تحریر پر بغیر غور کیے ہوئے بعض محققین نے بھی ایسے اشعارکو دوہا کہہ کرغلط روش کی تائید کر دی۔ہم نے جب غور کیا تو ہمیں اپنی رائے بدل کر یہ رائے قائم کرنا پڑی کہ انھیں دوہا نہیں بلکہ شعر یا فرد کہاجائے تو مناسب ہوگا۔"

اس اقتباس کے بعددوہا کے لغوی مفہوم دیے گئے ہیں اورنتیجہ یہ نکالا گیا ہے دوہا، فرد،شعر اور بیت کی ہی ایک صورت ہے۔ڈاکٹر عرش صدیقی کے بہ قول:

" سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخرہندی اسم"دوہا" کو عربی (اوراب فارسی اُردو) اسماء بیت ، شعراور فرد کا متبادل کیوں نہیں سمجھاجاتاحالانکہ درست معنے صرف یہی ہیں۔ایسا نہیں ہے توکوئی بتائے کہ دوہا اگر ایک مخصوص صنف کا نام ہے توہندی اور برج بھاشا میں شعر، بیت اور فرد کے لیے کون سا نام استعمال ہوتا ہے۔"(۵۸)

یہ وہ فضا تھی، جس نے سرسی چھنداوردوہاچھند کی بحث چھیڑی۔اس بحث کا حاصل یہ نکلا کہ اساتذہ کے دوہوں

کو کھنگالا گیااور بہت سے مقامات سے یہ ثابت ہوا کہ دوہاکا مخصوص وزن بعد میں کہیں طے ہوا ہے اوراس سے قبل شعرا مختلف اوزان میں دوہا کہتے رہے۔خود سید قدرت نقوی صاحب کے بیان سے بھی یہی بات واضح ہے۔

سرسی چھند ہے کیا؟

سرسی چھند کے لیے جو عربی ارکان مستعار لیے گئے ہیں،وہ یوں ہیں:

فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع (فع)

جمیل الدین عالی نے اسی وزن کو اختیار کیا اورپھر اُن کی پیروی کرنے والوں بھی اسے اپنا لیا۔پاکستان میں چند ایک کو چھوڑ کر زیادہ تر لوگوں نے اسی وزن میں شاعری کی۔چوں کہ اس وزن میں وقفہ کی روایتی سہولت نہیں ہے اور ارکان یا ماتراؤں کی وہ تعداد نہیں جو دوہاچھند سے مخصوص ہے،اسی لیے اس پر بحث ہوئی۔سیدقدرت نقوی کے علاوہ بھی کئی ایک علمائے ادب نے یہ تسلیم کیا ہے ،کہ دوہادوسرے اوزان میں بھی کہاجاتارہاہے۔نامور دوہانگار جمیل عظیم آبادی یوں رقم طراز ہیں:

"دوہاچھند کے علاوہ سرسی چھند اور دیگر چھند میں بھی دوہے کہے گئے ہیں اور کہے جاتے رہیں گے۔وقت کے ساتھ ساتھ جہاں ہر صنفِ سخن میں تبدیلیاں آئی ہیں، وہاں دوہے کی چھند میں بھی تغیر وتبدل ہوا ہے۔اُردو میں زیادہ تر دوہے سرسی چھند میں کہے گئے ہیں۔دوہا چھند اور سرسی چھند میں سوائے ماتراؤں کی تعداد کے اور کوئی خاص فرق نہیں ہے۔"(۵۹)

شاہد جمیل :

"میں دوہا رنگ کے دیباچے میں مثالوں کے ساتھ اس امر کی نشان دہی کرچکا ہوں کہ عالیؔ سے صدیوں قبل بابا فریدکے دوہے سرسی چھند میں مل جاتے ہیں اور بعد کے دور میں بھی دوسرے شعراء مثلاً جانمؔ اور میراں جیؔ وغیرہ نے سرسی چھند میں دوہے لکھے ہیں۔یہی نہیں عالیؔ صاحب اس غلط فہمی کاشکار ہیں ،کہ ہندوستان میں سرسی چھند میں جو دوہے لکھے جارہے ہیں،وہ سب عالی چال کے ہی مرہونِ منت ہیں۔جبکہ عالی چال جیسی کسی ترکیب سے ہندوستانی دوہا نگاروں کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں،سرسی چھند میں ہر مصرعے میں کل ۲۷ ماترائیں ہوتی ہیں اور۱۱:۱۶ ماتراؤں کے درمیان(چرنوں میں) کوئی وشرام یابسرام نہیں ہوتا۔"(۶۰)

محمد سالم:

"اُردو میں بھی سرسی چھند کی روایت ملتی ہے۔سرسی چھند میں کل ۲۷ ماترائیں ملتی ہیں۔اس کے پہلے چرن میں ۱۶ ماترائیں ہوتی ہیں اور دوسرے میں۱۱ ماترائیں۔اُردو میں اس کاوزن: فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن فاع ہے۔"(۶۱)

حمایت علی شاعر:

سرسی چھند جوصرف عشقیہ موضوعات تک محدود تھے۔(۶۲)

ڈاکٹروحید قریشی:

عموماً سرسی چھند میں وقفے کاالتزام نہیں ہوتا۔(۶۳)

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا:

دوہے کی روایت کا عروضی مطالعہ کیاجائے تو ہر دور میں سرسی چھند اور دوہا چھند دونوں اوزان دوہوں میں برابر استعمال کیے گئے ہیں۔اگرچہ سرسی چھند نسبتاً کم مستعمل رہاہے تاہم اس کے نمونے معدوم نہیں۔(۶۴)

کوثر صدیقی:

ہندی شاعری میں دوہے کے پچیسوں اوزان ہیں، لیکن وہاں بھی اور اُرد و میں بھی عام طور پر سرسی چھند میں دوہے کہے جاتے ہیں۔(۶۵)

ان معروضات کو دیکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ،کہ دوہا سرسی چھنداور دوہا چھند دونوں میں لکھاجاتا رہا ہے۔دوہا چھند کی ایک پنکتی ۲۴ ماتراؤں کااحاطہ کرتی ہے اور سرسی چھندکی ۲۷ ماتراؤں کو محیط ہوتی ہے۔البتہ سرسی چھند کے مقابلے میں دوہا چھند کو زیادہ قبولیت ملی۔شاید یہی بات بحث کا سبب بنی۔بادی النظر میں جس کا فائدہ اُردو اَدب کے طالب علموں‌کو تاریخ کے مطالعے کی صورت میں ہوا۔بہت ممکن ہے، جمیل الدین عالیؔ کے دوہوں پر اعتراضات نہ اٹھتے تو دوہا تحریک کی صورت کبھی اختیار نہ کرتا۔دوسرے معنوں میں اس اعتراض سے اُردو اَدب کا دامن وسیع ہوا۔

دوہے کے مضامین

دوہے کے موضوعات متنوع ہیں،ان کی بوقلمونیاں کامکمل احاطہ قدرے مشکل ہے۔بنیادی طور پر دوہا اپدیشی صنف ہے۔صوفیوں، بھگتوں، سادھوؤں اور سنتوں نے عامۃ الناس کی ہدایت کے لیے اس سے کام لیا۔اس لیے اس کا بڑا موضوع تومذہبی و اخلاقی تعلیمات پر منحصر ہے۔دوسرے درجے میں اس سے حسن وعشق کے بیان کاکام لیا گیا۔رفتہ رفتہ اس میں موضوعات داخل ہوتے گئے اورآج یہ بجاطور پر کہاجاسکتا ہے کہ اس کی حدود لامحدود ہو چکی ہیں۔انسان اوراس کائنات سے متعلق جتنے موضوعات ہوسکتے ہیں،وہ اس کی عمل داری یاحدوں میں سماسکتے ہیں۔ڈاکٹروزیرآغا نے دوہابانی ،اس کے مزاج، ہیئت ، مضامین اور تاثیریت پر کچھ یوں اظہار خیال کیا ہے:

"دوہے کی ایک اپنی فرہنگ اور ایک اپنا کلچر ہے، جواس برصغیر کے ہزاروں برس پر پھیلے ہوئے ماضی کا ثمر بھی ہے اور مظہر بھی۔شاید ہی کوئی شعری صنف بیک وقت اتنی رجعت پسند اور جدیدیت نواز ہو جتنی دوہے کی صنف، جو اپنے قدیم لہجہ اورمزاج سے دستبردار ہوئے بغیر جدید دور کے لہجہ اور مزاج کو خود میں سمونے پر ہمہ وقت مستعد دکھائی دیتی ہے۔دوہا شاید واحد صنفِ شعر ہے، جس نے برصغیر کے بطون میں موجود نمایاں ثقافتی میلانات کو اپنی ہیئت اور فارم میں اس طرح منعکس کیا ہے کہ یہ ہیئت بجائے خود مثنویت کی ایک درخشاں مثال بن گئی ہے۔"(۶۶)

ڈاکٹر سلیم اختریوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"دوہے کے متنوع موضوعات دو حصوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں ، دل اور دماغ... عشق ومحبت، ہجر ووصال او ان سے متعلق جزئیات کا باعث دل ہے۔ہندی گیت کی روایت میں بعض اوقات اظہارِ تمنا عورت کی جانب سے بھی ہوتا ہے اور بالعموم رادھا اور کرشن کے حوالہ سے بات کی جاتی ہے۔

دل کے برعکس دماغ عقل و خرد کے نکات اجاگر کرتا ہے، تاہم دوہے کی کوملتا فلسفیانہ موشگافیوں اور فکر کی مابعدالطبیعات کے بوجھل پن کی متحمل نہیں ہوسکتی، بس صاف اور کھری زندگی بسر کرنے کی تلقین... سادہ اسلوب میں۔ بلحاظِ اسلوب دیکھیں تودوہے میں شاید ہی کہیں استعارے کا استعمال ہے۔صرف تشبیہیں اور مثالیں ملتی ہیں اور وہ بھی عام مشاہدہ پر مبنی سادہ۔غزل کا شعر جس ایما اور گہری رمزیت کاحامل ہو سکتا ہے،دوہے کی فضا اس سے مانوس نہیں۔"(۶۷)

مہاکوی بہاری لال نے دوہا کے مضامین کو عنوانات کے تحت پابند کیا توایک زمانے تک دوہانگاروں نے پیروی کی، حتیٰ کہ اس کے اثرات قیام پاکستان کے بعدکے شعرا کے یہاں بھی واضح نظر آتے ہیں۔یہ عنوانات اپنے موضوعات کے نشان دار ہیں: "شرنگاررس،شانت رس، کانت رس، انگ ارپن،رنگ درپن، وچتر وید، نائیکہ بھید ، نک سک،مایا موہ،یوگ،پریوگ،راس بودھ، راس پنچ اور چھایاوادی۔"

ان عنوانات کی وضاحت ڈاکٹر الیاس عشقی نے اپنی کتاب"دوہا ہزاری " میں خوبی کے ساتھ کی ہے۔ڈاکٹرطاہرسعید ہارون نے موجودہ عہد میں سب سے زیادہ موضوعات پردوہے کہے۔ان مضامین میں روایتی بھی ہیں اوراُن کے اپنے اختراعی بھی۔اصغر ندیم سید دوہا کے مضامین اوران کے اسباب کے بارے میں کہتے ہیں:

"برصغیرچونکہ بے شمار مذاہب، روحانی اکائیوں، مختلف النوع عقیدوں، متنوع ثقافتوں اور علاقائی روایات کی حامل ایسی سرزمین ہے، جہاں فراق ، وصال اور ملال کے لیے مخصوص طرزِ زیست اور طرزِ احساس موجود رہا ہے۔اس زمینی کلچر نے ہر علاقے، زبان اور ثقافت پر یکساں اثرات مرتب کیے ہیں۔برصغیر کی تمام زبانوں میں صوفیانہ کلام، بھگتی اظہار، عارفانہ فکراور مذہبی روایات پر مشتمل شاعری کی مختلف اصناف مقبول ہی نہیں رہیں، غزل کی مقبول صنف سے زیادہ گہری رمزیت اور معنویت کی حامل بھی رہی ہیں۔دوہے کی صنف کا شمار بھی اُن میں ہوتا ہے۔دوہے کی فلاسفی یہ ہے کہ انسان اللہ کی بنائی ہوئی کائنات کی ایک ایک رگ سے جڑا ہوا ہوتاہے۔"(۶۸)

"دوہے کے موضوعات کاشمار ممکن نہیں۔تمام دوہا نگاروں نے اس صنف کو اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق استعمال کیا ہے۔اخلاقیات اور پند و نصائح کے ساتھ ساتھ ارضیت دوہے کے مزاج میں شامل ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندی دوہے میں عورت کے حسن و غمزہ ، عادات و اطوار او ربھید بھاؤ کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے،اُسے اُردو دوہے نے بھی بہ تمام و کمال قبول کیا ہے۔"(۶۹)

"اگرقدیم راجستھانی اور ہندی دوہوں کا ایک طائرانہ جائزہ لیاجائے تو یہ بات بخوبی ظاہر ہوگی کہ دوہوں کے خالقوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کو دو مصرعوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔پند ونصائح کو مثالیں دے کر واضح کیا ہے،

تو اخلاقی پہلو کو بھی اچھی طرح اُجاگر کیا ہے۔اسی طرح تمام دوہے اقوالِ زرین کی نمائندگی کرتے ہیں اور پڑھنے والے کو عبرت اور نصیحت کی سیکھ دیتے ہیں۔"(۷۰)

"بات یہ ہے کہ ہر شاعری اپنا ایک تہذیبی رنگ بھی رکھتی ہے۔دوہے کی صنف نے جس تہذیب کی کوکھ سے جنم لیاہے، وہ خالص ہندی ہونے کے ناتے ہندو دھرم سے زیادہ مانوس ہے۔ سوبھجن کیرتن تواس کی گٹھی میں پڑے ہیں۔"(۷۱)

" دوہا میں دہقانی جذبات کی بہترین عکاسی ملتی ہے۔ یہاں دہقانی سے میری مراد وہ سادہ اورپُرخلوص جذبات ہیں، جن پر شعری ملمع کاری، تہذیبی تصنع یاصارفی سماج کاغلاف چڑھا نہ ہو۔"(۷۲)

گویا دوہا کی سادہ بیانی اس کی معجزنمائی ہے۔اس کے مضامین کی واضح صورتوں میں مذہب، اخلاقیات، تصوف، علم، عرفان، عشق، محبت، حسن ، ہجر،ملن،جوانی، بڑھاپا، مظاہرِ فطرت، پرندے، موسم،معاشرتی جبر، عدمِ مساوات ،لالچ سمیت متعدد موضوعات اور ان کی جزئیات شامل ہیں۔اس کے موضوعات کی بوقلمونیوں کا احاطہ اگر ناممکن نہیں تومشکل ضرور ہے۔اس لیے کہ اپنے آغاز سے اب تک اس نے بیسیوں منزلیں دیکھی ہیں اور سیکڑوں پڑاؤ ڈالے ہیں۔

دوہا میں ہیئتی و صنفی تجربات

دوہا کی روایتی ۲۳ تکنیکوں کاذکر توگذشتہ صفحات میں ہوچکا ہے۔ یہاں دورِ حاضر میں ہونے والے تغیرات اور تبدیلیوں کا جائزہ لیاجائے گا۔موجودہ دور میں جہاں بعض شاعروں کے یہاں وزن کی سطحوں پرکچھ تجربات دکھائی دیتے ہیں، جیسے جمیل الدین عالیؔ صاحب اور ڈاکٹر طاہرسعید ہارون نے بعض اوقات جہاں سرسی چھند میں ایک آدھ رُکن بڑھایا اور کم کیا ہے،وہاں رشید قیصرانی نے بھی کچھ ایسے ہی تجربے کیے ہیں۔لیکن ان کے برعکس انڈیا میں بڑی تعداد میں صنفی تجربوں میں بھی اسے شامل کر لیا گیا ہے۔ جیسے دوہا غزل، مردف دوہا،ہائیکودوہا، دوہا گیت، دوہا قطعہ، دوہا مثلث، دوہا ترائیلے، دوہاسانیٹ، شخصی دوہا،معرّیٰ دوہا،دوہا نظم، کُرجاں دوہا کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔اس صنفی انتقال یا اختراع کے پیچھے سب سے نمایاں ڈاکٹرفرازحامدی دکھائی دیتے ہیں۔ان کے ساتھ ساتھ ڈاکٹرمناظر عاشق ہرگانوی ہیں۔اوران اصناف کو اختیار کرنے والوں میں ساحر شیوی، وِدّیاساگرآنند، ڈاکٹرساغرجیدی، امام قاسم ساقی،شارق جمال،ڈاکٹرطاہرسعید ہارون، صابرعظیم آبادی، نذیرفتح پوری، کوثر صدیقی، ڈاکٹراسلم حنیف، ڈاکٹر سیفی سرونجی، انور شمیم انور ، عثمان قیصر، ڈاکٹر مرزاحسن ناصر، ظہیرغازی پوری، احسان ثاقب، رفیق شاہین، ڈاکٹر شمیم ہاشمی، یوسف جمال، قاضی رئیس، منظر صدیقی،شارق عدیل،ڈاکٹرافضال عاقل، اودے سرن ارمان،سیدہ نسرین نقاش، سیمافریدی، آبھاپوروے،ڈاکٹرحسین انورصدیقی، جاوید اختراعظمی، سہیل غازی پوری، عبیداللہ ساگر، رضا رامپوری، ڈاکٹر امریندر، میکش اجمیری، ڈاکٹر ولی چشتی، ڈاکٹر طالب دھول پوری،تاج قائم خانی ، سیدمختار ٹونکی،عقیل شاداب،شاہین فصیح ربانی اور شکیل جے پوری سمیت بیسیوں دوسرے ہیں۔ان میں سے اکثر نے دوہا غزل اور دوہا گیت میں طبع آزمائی کی اور دوہا کے روایتی وزن یعنی دوہاچھند کواختیار کیا۔

اس فہرست میں کچھ پاکستانی شاعر بھی شامل ہیں۔یوں دکھائی دیتا ہے ،جیسے ان تجربوں میں بڑی کشش ہے، اسی لیے اتنی بڑی تعداد میں لوگ راغب ہوئے۔یہ کیفیت بھی حیدر قریشی صاحب کی ماہیا کی تحریک جیسی معلوم ہوتی ہے،اُس تحریک نے بھی دیکھتے ہی دیکھتے کئی لکھنے والوں کواپنی طرف نہ صرف متوجہ کیا، بلکہ بہت کم عرصہ میں اُردو ماہیا کے کئی ایک مجموعے بھی سامنے آگئے۔بادی النظر میں ان تجربوں سے دوہا کو یہ فائدہ پہنچا ہے، کہ شاعروں نے لفظ"دوہا" کی ایک طرح سے حیاتِ نو کی سبیل کردی ہے۔ایسا نہیں ہے، کہ خالص دوہا لکھنے والے نہیں رہے، بلکہ یہ ضرور ہے، کہ ان کی تعداد بہت محدود ہے۔پھر غزل اور گیت خالص دوہا کی نسبت آسان ہیں۔اس سہولت اورآسانی کے باعث بھی بہت سے لوگ ان تجربوں میں شامل ہوئے ہوں گے۔بڑی تعداد نے تو منھ کا ذائقہ بدلنے یا زمانے کی ہوا کے مطابق اس طرف رُخ کیا ہے، مگر بعض لوگوں نے توباقاعدہ تحریک کے طور پراسے اپنایا۔ان میں بھی نمایاں نام وہی شروع کے ہیں۔ یعنی ڈاکٹر فرازحامدی، ڈاکٹرعاشق حسین ہرگانوی،ڈاکٹرطاہر سعید ہارون ، ساحرشیوی،وِدّیاآنند ساگر اورامام قاسم ساقی وغیرہ۔ ان لوگوں نے توکثرت سے لکھاہے۔کوثرصدیقی نے توایک قدم اوربڑھاتے ہوئے دوہا غزلوں میں ردیف وارکاشت بھی اٹھایا۔

جہاں ان تجربات کو بڑے پیمانے پرپاک وہند میں سراہا گیا اوران کی تقلید کی گئی ، وہاں ان کے خلاف بھی آوازیں بلند ہوئیں۔جب علمائے ادب نے دوہاچھند کے مقابلے میں سرسی چھند کوقبول کرنے میں اتنی صبر آزمائی کی اور بڑے عرصے تک اس کی قبولیت سے ہچکچاتے رہے، ایسے میں ان تجربوں کی تحسین سنجیدہ حلقوں میں کیوں کر ہوسکتی تھی؟ ان لوگوں کے نزدیک دوہا پر یہ ضرب ایسی ہی ہے، جیسے ایک زمانے میں غزل کی کمر پر مسلسل ایسی ضربیں لگتی تھیں۔کئی ایک تجربوں کے بعد بھی غزل اپنی حالت میں سلامت ہے۔مالِ کار دوہا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔اگر کوئی اسے اپنائے تواس کے مکمل لوازمات اور پابندیوں کے ساتھ۔اور یہ تجربات موسمی کھمبیوں کی طرح خود ہی اپنا وجود کھو دیں گے۔شارق بلیاوی صاحب توان تجربوں پربرہم دکھائی دیتے ہیں:

"دوہا کو دوہے کے اپنے آہنگ سے جدا کرنے والے بھول جاتے ہیں کہ پھول سے خوشبو نکال دینے یا جسم سے روح الگ کرنے کے بعد کیا بچتا ہے؟ تجربات اور جدت طرازی کی کوشش میں دوہوں کا ستیاناس کردیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خوب دوہے کہے ہیں۔خاک کہے ہیں، اپنے منھ میاں مٹھو بننا اچھا نہیں۔"(۷۳)

اس کے باوجود ان تجربوں کوایک اہمیت موجود ہے،جواُوپر بیان کردی گئی ہے۔دوہا غزلوں اور دوہا گیتوں سے کچھ انتخاب یہاں دیاجارہاہے، تاکہ اندازہ ہوسکے ان تجربوں کاحاصل صحیح معنوں میں کیا ہے۔

دوہا غزل:

میری عزت ہر طرف شہرت چاروں دھام ... بندہ پرور سب ترے انعام و اکرام
جنبش تیرے حکم سے کرتی ہے ہر ذات ... تو چاہے تو بے زباں کنکر کریں سلام

(حمدیہ دوہاغزل۔ڈاکٹر فراز حامدی)

کتنا دلکش جانفزا یا رب تیرا نام ... لب پر ہے صبح و مسا یا رب تیرانام
دُ نیا میں گھوما پھرا، دیکھے تیرتھ دھام ... دیکھا، پایا جا بجا، یارب تیرا نام

(حمدیہ دوہا غزل۔ڈاکٹر ساحرشیوی)

خوش تھا، جب بھی پالیا، خوشیوں کا تہوار ... میری نس نس میں بسا خوشیوں کا تہوار
بھولیں کل کی فکر کو، بے فکر ہوں آج ... دینے آیا یہ صدا، خوشیوں کا تہوار

(علامہ شارق جمال)

زندہ رہنے کے لیے، اک مثبت کردار ... لازم ہیں اقوام میں، مشترکہ اقدار
مجھ کو مجھی سے مانگ کر، اک دکھیاری نار ... بولے ہے جُگ جُگ جیو، میرے سکھ سنسار

(عتیق احمد عتیق)

چرکے تھے احساس کے، ظلمی تھا سنسار ... جینے کی اک آس میں، مرے ہزاروں بار
اک دوجے سے دشمنی، ہر سو ہے گوہار ... بھکسی میں انسانیت، زنجیروں میں پیار

(ڈاکٹرطاہر سعید ہارون)

تم کیا بچھڑے ساجنا، بچھڑا مجھ سے پیار ... سونی دل کی بات ہے، سونا ہے سنسار
دستک سن کر دُوار پر جاگ پڑا بیمار ... خواب ادھورے رہ گئے، ٹوٹا نیند کا تار

(نذیرفتح پوری)

ٹھنڈی رینا پوس کی، ساجن جلدی آؤ ... کایا میری برف کی، اگنی کو دہکاؤ
جاتی جگ میں دُور تک کاغذ کی آواز ... جو بھی کہنا ہو تمھیں کاغذ پر لکھ جاؤ

(کوثر صدیقی)

شاید اپنا ربط تھا، آثاروں کے ساتھ ... پر حاکم نے چُن دیا، دیواروں کے ساتھ
پڑھتے ہیں تحریر ہم، آزاروں کے ساتھ ... دُنیا کے غم بانٹتے اخباروں کے ساتھ

(ڈاکٹر اسلم حنیف)

دولت میرے پاس ہے اور نہ کوئی جاگیر ... تیری یادیں ساتھ ہیں تیری اک تصویر
چھلنی سارا ہو گیا دیکھو سینہ چیر ... دل پر آکر ہے لگا نظروں کا جب تیر

(ڈاکٹر سیفی سرونجی)

ٹی وی کے فتنے ادھر، جب سے گھر گھر آئے ... اپنے گھر میں بھی نظر، اوچھے منظر آئے

غیروں کے محلوں میں ہو کتنا ہی آرام ... سچی راحت تو مگر خود کے ہی گھر آئے
(انور شمیم انور۔ تین قوافی پر مشتمل)

بیٹھے ہیں بیمار کے کچھ سرہانے لوگ ... زخم لگا کر آئے ہیں ، پیار جتانے لوگ
درد بھی ہنس کر سہتے ہیں ، ہم دیوانے لوگ ... ہم ہیں سادہ دل مگر سب ہیں سیانے لوگ
(عثمان قیصر)

بھائے کب مجھ کو خوشی ، بھائے من کی پیڑ ... میری تو میراث ہے غم کی یہ جاگیر
موسم کا یہ رنگ بھی کتنا ہے دلگیر ... سُن لو اس کو غور سے بجتی ہے زنجیر
(سہیل غازی پوری)

جیون کی اس دوڑ میں کون کرے آرام ... وہ دانا ہے صرف جو کام سے رکھے کام
کام مہارت سے کرو تو ملتا ہے دام ... محنت کرنے سے بھلا کون ہوا ناکام
(عبیداللہ ساگر)

کر دی میں نے زندگی ، جاناں تیرے نام ... ہر راحت ، ہر اک خوشی ، جاناں تیرے نام
رہنے دے میرے لیے جسم جلاتی دھوپ ... ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی ، جاناں تیرے نام
(شاہین فصیح ربانی)(۷۴)

پھولوں جیسے لفظ ہیں ، خوشبو میرا نام ... ساری دُنیا جانتی ، اُردو میرا نام
اُجلے اُجلے پنکھ ہیں ، چمکے میری ذات ... اندھیاروں سے کیا ڈروں جگنو میرا نام
چٹکی چٹکی چاندنی ، چھائی شوخ بہار ... اور مجھے کیا چاہیے ، پاس میں ہے دلدار
سنو دوستو غور سے ، بڑے پتے کی بات ... وقت پر کام آئے اگر ، پھول سے اچھا خار
(وِدّیا آنند ساگر)(۷۵)

پیاسوں کو تقدیر نے دکھائے کیا کیا خواب ... وہ دیکھو اک باؤلی ، وہ دیکھو تالاب
جیون کے منجدھار میں ، اپنی کیا اوقات ... بڑے بڑے تیراک بھی ، ہوتے ہیں غرقاب
(کوثر صدیقی)(۷۶)

غلط تھا اپنا عندیہ کیا ہے استعجاب ... کاہن زادہ مر گیا ، کیا ہے استعجاب
تیز ہوا کے دوش پر رمتی ہے میزان ... اس میں صوفی پارچہ کیا ہے استعجاب
(ڈاکٹر ساغر جیدی)(۷۷)

جمہوری اک رنگ میں ، بھیگا ہر اک رنگ ... اس کو آزادی کہیں یا کہ کوئی جنگ

دولت در کے سامنے ، بیٹھے ملّا پیر ... نر دھن کو بھی دیکھیے ، بیٹھا اپنے سنگ
(امام قاسم ساقی)(۷۸)

یہاں منتخب شعرا کے کلام میں سے مطلع کے ساتھ ایک شعر دیا گیا ہے۔اگرچہ یہ پہلے بھی کہاگیا ہے، کہ تجربے کی حد تک توبات دُرست ہے، لیکن خدا لگتی بات یہ ہے، کہ اس سارے کلام میں شاذونادر ہی کوئی دوہا یا شعر ایسا ہوگا جو پھڑکا کے رکھتا ہو۔ان نظمیوں میں نہ تو دوہے جیسارَس جس ہے اور نہ غزل کے شعروں جیسی رمزیت وتازگی۔ کہیں کہیں تولفظوں کے ساتھ زبردستی بھی دکھائی دیتی ہے۔کھینچ تان کرانھیں وزن کی کسوٹی پر چڑھایا گیا ہے۔اس سب کے باوجود اس تجربے کی یہ اہمیت ہمیشہ رہے گی، کہ دوہا نگاری کی تاریخ ان کے بغیر مکمل نہیں ہوسکے گی۔بالکل اسی طرح جیسے آزاد غزل، منی غزل اورغزل سار کے تجربوں کا ناپسند کیے جانے کے باوجود انھیں غزل کی تاریخ میں یاد رکھا جاتا ہے۔"دوہا غزل" کو بہ ہرحال غزل کے باب میں کیے گئے متذکرہ تجربوں سے امتیاز و تفوق حاصل ہے۔

دوہا گیت:

ساجن میں مجبور ہوں ، دے نہ مجھے آواز
مشکل ہے جو اب بجے ، دل کا ٹوٹا تار
نازک سی اُبلا ہوں میں ، دنیا ہے بے پیر
دُنیا نے ڈالی مرے ، پیروں میں زنجیر
تن من میں پیوست ہیں ، زہر میں بھیگے تیر
کُرجاں کو گھیرے ہوئے ، چاروں اور ہیں باز
ساجن میں مجبور ہوں.....!
(وِدّیا آنند ساگر)۷۹

پھولوں کی مہکار میں ڈوبا میرا گاؤں
چڑیوں کی چہکار میں ڈوبا میرا گاؤں
بچپن کے گلزار میں ڈوبا میرا گاؤں
سندر سندر باغ سا ، سپنوں جیسا گاؤں
چھوٹا میرا مائکا ، چھوٹا میرا گاؤں
گیہوں جَو کی بال سے مہکے مہکے کھیت
ہیروں پنّوں سے بھرے گہنوں جیسے کھیت

بسے ہیں سارے جسم میں سوندھے سوندھے کھیت
دُنیا کے ہر جیو کو جیون دیتا گاؤں
چھوٹا میرا مائکہ.....!!
(کوثر صدیقی)۸۰

سجنی تیری یاد میں ، بیتی ساری رات
ماضی کے حالات سے ، کرلی میں نے بات
سجنی تیری یاد میں.....!!
تیرا ہنسنا روٹھنا ، تیرے بکھرے بال
ہر دم رہتے دھیان میں ، گورے گورے گال
سجنی تیری یاد میں.....!!
(امام قاسم ساقی)۸۱

بستر پر احساس کے کروٹ لیتی رات
میری نیند اُڑائے گی آج بھی پگلی رات
میں نے بھی تقدیر کے تارے کیے شمار
لیکن اس آکاش کی سیما اَپرمپار
عمروں کے اس کام کو ایک ذرا سی رات
بستر پر احساس کے.....!!!
(ڈاکٹر فراز حامدی)

ٹوٹے دل کے تار ہیں ، روٹھا ہے سنگیت
کیسے چھیڑوں راگنی ، کیسے گاؤں گیت
کیسے گاؤں گیت
ساجن مجھ سے دُور ہیں ، آئے اُن کی یاد
سپنے چکنا چُور ہیں، ہونٹوں پہ فریاد
آہیں ، نالے یہ کہیں ، غم ہے تیرا میت

کیسے گاؤں گیت

(ڈاکٹر ساحر شیوی)

گاؤ سکھیو! جھوم کے آئی ہے برسات
پھول کا چہرہ چوم کے ہنستی ہے برسات

من کی کلیاں کھل اٹھیں مہکا ہے رنگ روپ
سواگت کرنے آ گئی ، روپ نگر کی دھوپ
پچھلی برکھا رُت سے یہ اچھی ہے برسات
گاؤ سکھیو! جھوم کے.....!

(صابر عظیم آبادی)

لوک لاج کو تج دیا چھوڑ دیا سنسار
نیّا ڈوبی جائے ہے آؤ کھیون ہار
کب آؤ گے بالما کرنے موہے نہال
یاد میں توری باؤری غم سے پڑی نڈھال
آؤ مورے دیوتا ، آؤ مرے کرتار
لوک لاج تج دیا.....!!

(عقیل شاداب)۸۲

گیت دوہا کے قریب کی چیز ہے، اس لیے یہاں یہ تجربہ کھٹکتا نہیں۔اس لیے کہ دونوں کا خمیر ایک ہے۔دونوں کی لفظیات اور پس منظر ایک ہیں،دونوں ایک دوسرے سے ہم آمیز ہیں۔ محض بحر کے فرق سے ان گیتوں کے ساتھ لفظ''دوہا'' جوڑ دیا گیا ہے۔حالاں کہ گیت کسی بھی وزن میں لکھا جاسکتا ہے۔اس کی ہیئت بھی محدود نہیں۔البتہ اس روش میں لکھے گئے بعض گیت دل میں جگہ بناتے ہیں۔اس کا سبب مانوسیت اورخاص فضا ہے۔

دوہا قطعات:

پیار کہاں سے لایئے ، کہیں نہیں بازار
کرے نہ کوئی شہر میں پیار کا کاروبار
لابھ کمانا ہُوا اگر ، توڑ کے سب سِدّھانت

پھول کی دھرتی پر کرو ، کانٹوں کا بیوپار

میں ہی پیچھے رہ گیا ، نکل گئے احباب
چلتے چلتے تھک گیا ، اٹھائے میں اسباب
ابھی جو ندی خشک ہے ، آئے گی اس میں باڑھ
مجھے بہا لے جائے گا ، منزل تک سیلاب
(کوثر صدیقی)۸۳
یوں تو وہ بھی عشق میں ، ہوئے تھے برباد
دنیا کرتی آج بھی لیکن ان کو یاد
مٹنا تھا سو مٹ گئے ، چھوڑا اپنا نام
زندہ ہیں تاریخ میں ، مجنوں اور فرہاد

اپنی بگڑی آل کو ، گولی مارو یار
جی کے اس جنجال کو ، گولی مارو یار
جو کچھ اپنے پاس ہے ، کر دو تم خیرات
دھن دولت اور مال کو ، گولی مارو یار
(وِدّیا آنند ساگر)(۸۴)
پل پل موسم کی طرح بدلے مرے نصیب
رفتہ رفتہ کھو گئے ، تھے جو مرے قریب
جب تک دولت پاس تھی ، دشمن بھی تھے یار
پھیر کے منھ سے چل دیے ، جب میں ہوا غریب

دل میرا مجروح ہے ، ٹوٹا ہوا ہے ساز
ٹوٹے بازو کس طرح ؟ ممکن ہے پرواز
صحرا صحرا ڈھونڈتی ، تجھ کو ہی بے درد
میرے گیتوں میں ڈھلی ، درد بھری آواز

(امام قاسم ساقی)(۸۵)

کچھ اور شاعروں نے بھی اس باب میں اپنا نام لکھوایا ہے۔لیکن یہاں انھی شعرا کے کلام سے نمونہ دیا گیا، تا کہ کچھ اندازہ ہوسکے کہ پہلے سے موجود اصناف کے ساتھ لفظ ''دوہا'' منسلک کرنے کے بعدان میں کیا تبدیلی آئی ہے یا اُن پر کیا اثرات مرتب ہوئے ؟ جہاں تک مجھے اندازہ ہوا، تو یہاں ایک گھٹن کے احساس کے سوا کچھ نہیں۔عمومی طور پر قطعہ رواں دواں اور پُر تاثیر ہوتا ہے، یہاں کچھ استثنائی حالتوں کے علاوہ معاملہ اُلٹ ہے۔البتہ یہ ہے کہ ہر دو مصرعوں کو الگ کرکے دیکھا جائے تو پھر دوہے کا رَس جس نمایاں ہوتا ہے اور شاید اسی تجربے کا حاصل یہی ہو۔مجموعی طور پر اس تجربے نے دوہے کی روایت کو اگر بڑھاوا نہیں دیا تو نقصان بھی نہیں پہنچایا۔

دوہا نظم:

یہاں کچھ شاعروں کی نظمیں دی جارہی ہیں،اُن کے دعوے کے موجب یہ''دوہا نظمیں'' ہیں۔ملاحظہ ہو:

فیصلہ
جب بھی ادنیٰ بات پر
ہوتی ہے تکرار
ذہن ودل کے درمیاں
اٹھ جاتی ہے دیوار
ذہن کہے کچھ اور ہی
دل کہتا کچھ اور
آخر ایسے میں کریں
کس کی بات پر غور
ذہن ودل میں بڑھ گئی
آج بھی یہ تکرار
اس ان بن کا فیصلہ
کیسے ہو گا یار؟
(امام قاسم ساقی)(۸۶)

اس نظم میں جہاں دوہا کا بسرام آتا ہے،اگلا جزو وہاں سے الگ کرکے نیچے لکھ دیا گیا ہے۔

ایک باپ کی مجبوری

گیہوں ، جوار اور باجرا ، ہُوا نہ کچھ اس سال
پچھلے برسوں کی طرح پڑے نہ پھر آکال
کھیتی چوپٹ ہو گئی ، گاؤں میں سب بے کار
ملے نہ آدھے پیٹ بھی ، کسی کو روٹی دال
بیٹی کا اس حال میں ، کیسے ہو گا بیاہ
ٹی وی موٹر سائیکل مانگ رہا سسرال
(کوثر صدیقی)(۸۷)

اس طرح کی بیسیوں مثالیں پہلے سے ہی موجود ہیں۔الیاس عشقی ،جمیل الدین عالی، عرش صدیقی ،ڈاکٹر طاہر سعید ہارون سمیت بعض شاعروں نے روایتی دوہے کے اندر ہی عنوانات سجائے ہیں۔

اب وِدّیاآنند ساگر کے کلام سے مردّف دوہا، معریٰ دوہا اور شخصیاتی دوہا کی مثالیں دیکھیں:

کریں نہ جو تیرا اَدب اُن سے بچنا سیکھ
بنیں جو ذلّت کا سبب ، اُن سے بچنا سیکھ

رستے میں چلتے ہوئے ، کیا ہے نیچے دیکھ
ٹھوکر سے بچنا ہے تو ، راہ کے روڑے دیکھ

جب تک وہ ڈھاتا رہا ، مجھ پر ظلم پہ ظلم
مجھے بھیانک خواب کا ہوتا رہا گمان

مجھ سے ملنے آئے گا ، تب میرا دلدار
جبکہ میری قبر پر ، اُگ آئے گی گھاس
غالب
ادب کے تن کی روح ہے ، ان کا حسیں کلام
ہیں شعراء کے پیشوا ، غالب جن کا نام
میر تقی میر
رہے ادب کے باغ میں ، خوشبو بن کر میر

ہے ان کے اشعار میں ، دردیلی تاثیر
علامہ اقبال
ادب کے مہر و ماہ ہیں ، علّامہ اقبال
جنھوں نے اپنی قوم کا ، رکھّا سدا خیال(۸۸)

شخصی دوہوں کی مثالیں ہمارے یہاں جمیل الدین عالی، ڈاکٹروحید قریشی، تاج سعید اورڈاکٹرطاہرسعید ہارون کے یہاں پہلے سے موجود ہیں۔گویا اگر شخصی دوہوں کا عنوان الگ سے نہ بھی سجایاجاتا توبات بنی ہی تھی۔کچھ اور بھی تجربے ہوئے اور خصوصاً ڈاکٹر فراز حامدی اور ان کے رفقاء نے بہت کام کیا ، خود ان کا اپنا بیان ہے:"آج اُردو دُنیا میں دوہا نہ صرف اُردو شعراء کی محبوب صنفِ سخن ہے، بلکہ اس میں کئی صنفی تجربات بھی ہورہے ہیں۔راقم الحروف نے دوہا گیت ، دوہا غزل، دوہا ترائیلہ،دوہا سانیٹ،دوہا نظم،دوہاقطعہ، دوہا مثلث ، دوہا معریٰ مثلث، دوہاچار بیت، دوہا دوبیتی وغیرہ کہہ کراس میں اضافے کیے۔"(۸۹)

دوہا کی معلوم ابتدااور روایت سے دیکھا جائے تو یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ اس صنفِ سخن نے اُردو اَدب میں بتدریج مقام بنایا۔اٹھارہویں صدی میں اس کا وجود قریباً سکڑ کر رہ گیا اور حد تو یہ ہے، کہ اس دور میں کوئی بھی ہندو یا مسلمان شاعر اس جانب متوجہ دکھائی نہیں دیتا۔جس طرح اُردو میں رواج دینے میں صوفیائے کرام نے نمایاں خدمات انجام دیں ، اسی طرح اس کے دوبارہ احیا کا سہرا بھی ایک مسلم شاعر، ریاضی دان خواجہ دل محمد دل کے حصے میں آیا۔اُن کا مجموعہ"پیت کی ریت" قیام پاکستان سے کچھ قبل شائع ہوا۔قیام پاکستان کے چند برس بعدپاکستان سے ہی جمیل الدین عالی کا مجموعہ شائع ہوا، جس میں دوہے شامل تھے۔انھی کی دوہا نگاری کے باعث دوہے کو رواج ملا اوردوہانگاری پربحث کا آغاز ہوا۔یوں ایک طرح سے دوہا کی تاریخ ایک بار پھر مرتب ہوئے اور شعرائے اُردو نے اس جانب خصوصیت کے ساتھ توجہ دی۔پاکستان میں جلال میرزا خانی،افضل پرویز،قتیل شفائی،الطاف پرواز، جمیل عظیم آبادی،سید قدرت نقوی، ڈاکٹر وحید قریشی،ع۔س۔مسلم،بشیرمنذر،عبدالعزیزخالد،جمال پانی پتی،رشیدقیصرانی، صہبا اختر،تاج سعید، ڈاکٹر صابرآفاقی، شاعر صدیقی، پرتوروہیلہ،امین خیال،سہیل غازی پوری،الیاس عشقی ، تاج قائم خانی ، ڈاکٹر عرش صدیقی ،شارق بلیاوی،ناصر شہزاد، عمرفیضی، رفیع الدین راز،عابدصدیق،کشورناہید،انوار انجم، مشتاق عاجز،شجاعت علی راہی، اعتبارساجد،توقیر چغتائی ،سید زاہدحیدر، خاورچودھری، تنویر پھول اور "مہان دوہانگار" کا خطاب رکھنے والے پروفیسر ڈاکٹرطاہرسعید ہارون عالی جی کی تحریک کے بعد آنے والے شاعر ہیں۔ان میں سے بعضوں نے دوہاچھند کو اختیار کیا اوراکثر نے سرسی چھند میں دوہا نگاری کی۔

پاکستان کے برعکس اگرچہ دوہا چھند میں ہی اکثردوہا کہاگیالیکن وہاں ایک امتیاز یہ سامنے آیا کہ اُن علمائے اَدب نے اس صنف کولاحقوں اور سابقوں سے سجا دیا۔کئی شاعروں نے دوسری مروجہ اصنافِ سخن کے ساتھ لفظ"دوہا" جوڑ دیا

اور اس کا مخصوص وزن اورآہنگ اختیار کرکے اس کو ثروت مند کرنے کی اپنے تئیں کوشش کی۔اس سعی کا حاصل یہ نکلا کہ وہ صنف جو کہیں زمانے کی گرد تلے چھپ گئی تھی ، اَب رسائل وجرائد میں دکھائی دیتی ہے۔نئی نسل کے لوگ بھی اس سے متعارف ہو رہے ہیں۔اس تناظر میں ان صنفی اور ہیئتی تجربوں کوقدر کی نگاہ سے دیکھاجائے گا۔اگرچہ اَب بھی بعض لوگ ان تجربوں پرناک بھوں چڑھائے بیٹھے ہیں اورآئندہ بھی اعتراض ہوتارہے گا لیکن ان کی تاریخی اہمیت کبھی کم نہیں ہوپائے گی۔اس لحاظ سے ان لوگوں کا یہ اہم کارنامہ ہے۔جہاں تک خالص دوہے کی بات ہے تو حال ہی میں سامنے آنے والے بعض مجموعے اس کی حیاتِ نوکی ضمانت ہوسکتے ہیں۔اس سلسلے میں سب سے نمایاں نام توڈاکٹرطاہر سعیدہارون کا ہے ، جن کے اب تک بارہ مجموعے شائع ہوچکے ہیں اورحال ہی میں"جیوتی" کے نام سے ان کے دوہوں پر مشتمل مجموعہ آیا ہے۔ان کے ساتھ ساتھ مشتاق عاجز اور رفیع الدین رازکانام بھی لیاجاسکتا ہے، کہ ان شاعروں کے مجموعے بھی خالص دوہے کی پوری شان کے ساتھ حال ہی میں شائع ہوئے۔ادھر انڈیا میں بھی کئی ایک لوگ خالص دوہا کہہ رہے ہیں جو اس صنف کی مقبولیت پر دال ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ہندی شاعری،طبع دوم ،اعظم کُریوی ، ڈاکٹر،سنگمپریس،اسلام آباد،۲۰۰۹ء، ص۴

۲۔ ایضاً، ص۵

۳۔ میگھ ملہار،طاہر سعیدہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۷ء، ص۵

۴۔ ہندی اُردو لغت،راجہ جیسور رائے اصغر، مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد، ۱۹۹۳ء،ص۲۵۷

۵۔ علمی اُردو لغت،وارث سرہندی،علمی کتب خانہ ، لاہور،۱۹۹۶ء ،ص۷۵۶

۶۔ قدیم اُردو لغت،جلد نہم،اُردو لغت بورڈ، کراچی،۱۹۸۸ء،ص ۷۳۵

۷۔ فرہنگِ آصفیہ،جلد دوم،سیداحمد دہلوی،مرکزی اُردو بورڈ،لاہور،۱۹۷۷ء،ص۲۸۷

۸۔ اعجازالغات، ذوالفقار تابش

۹۔ آکھیابابافرید نیں،پاکستانی پنجابی اُردو بورڈ،لاہور،۱۹۹۷ء،ص ۱۱۹(اصل اقتباس پنجابی زبان میں)

۱۰۔ وڈی پنجابی لغت،جلددوم،اقبال صلاح الدین، عزیز پبلشرز،لاہور، ۲۰۰۲ء ، ص ۴۲۵

۱۱۔ فیروزالغات،مولوی فیروزالدین، فیروز سنز،لاہور

۱۲۔ نورالغات جلد سوم،نورالحسن نیر، نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۱۹۸۵ء، ص ۱۴۱

۱۳۔ جامع الغات، جلد دوم، خواجہ عبدالمجید،اُردو سائنس بورڈ،لاہور،۱۹۸۹ء،ص۱۰۴۰

۱۴۔John T , Platts , Urdu Classical Hindi and English Dictionary , New Delhi : 1977

۱۵۔The Oxford English Dictionary . Delhi , 1977

۱۶۔R. C. Pattak Vamasai , Bhargaua's Standard Illustred Dictionary , Jan 1976

۱۷۔ عارف منصور،رنگِ اَدب،کراچی، کتابی سلسلہ ۵،مرتب:شاعر علی شاعر، س ن، ص۶۲

۱۸۔ جمیل یوسف، ایضاً، ص۸۴

۱۹۔ محمد سالم ، ایضاً،ص۸۸

۲۰۔ محمد محفوظ الحسن، ڈاکٹر، ایضاً،ص۹۵

۲۱۔ جمیل عظیم آبادی، ایضاً،ص۱۲۱

۲۲۔ رنگِ اَدب،کراچی،ص۱۴۴

۲۳۔ اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، بھوپال،۱۹۸۱ء،ص۱۹۲

۲۴۔ تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند،جلد اول،۱۹۷۱ء،ص ۱۲۴

۲۵۔ ایضاً،ص۲۵۴

۲۶۔ تنقید و تحقیق ،جابر علی سید،کاروانِ ادب،ملتان صدر،۱۹۸۷ء،ص ۴۸

۲۷۔ ماہنامہ ادب لطیف،جلد۶۹،شمارہ نمبر۳،مارچ ۲۰۰۴ء،لاہور

۲۸۔ شبدکوش، ص۴۰۹،بحوالہ:رنگِ اَدب،کراچی، ص۱۷۷

۲۹۔ ضیاء الحسن ، ایضاً،ص۱۸۷

۳۰۔ شہناز پروین، ایضاً،ص۲۰۰

۳۱۔ بشریٰ اعجاز، ایضاً،ص ۲۱۳

۳۲۔ محمد طہور خان پارس، ڈاکٹر، ایضاً،ص۲۱۸/۲۱۹

۳۳۔ رگوناتھ روپک،بحوالہ :شین۔کاف نظام،دوہا تجزیہ اور چند سوال،مشمولہ:پاکستان میں اُردو دوہا،ص ۸۴

۳۴۔ دوہا رنگ،وِدّیاساگر آنند،موڈرن پبلشنگ ہاؤس،دریاگنج، نئی دہلی،۲۰۱۰ء،ص۲۳

۳۵۔ ظفر عمر قدوائی،ڈاکٹر ، ایضاً،ص ۳۲

۳۶۔ جمیلہ عرشی ،ڈاکٹر،ایضاً،ص ۴۷

۳۷۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،رنگِ اَدب،کراچی،ص۳۳

۳۸۔ من موج، طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۱ء، ص۱۲

۳۹۔ عارف منصور، رنگِ اَدب،کراچی، ص۶۲

۴۰۔ محمد سالم، ایضاً،ص۸۸
۴۱۔ مناظر عاشق ہر گانوی،شاہد جمیل(مرتبین)دوہارنگ،نرالی دُنیاپبلی کیشنز،نئی دہلی ۲۰۰۳ء ص۱۰
۴۲۔ جمیل عظیم آبادی،رنگِ اَدب،کراچی، ص۱۲۱
۴۳۔ شفیق احمد شفیق، ایضاً،ص۱۷۳
۴۴۔ شارق بلیلاوی، ایضاً،ص۱۸۳
۴۵۔ دیباچہ ،ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی،ادبی دُنیا پبلی کیشنز،جے پور، انڈیا، ۲۰۰۶ء ص ۱۰
۴۶۔ کیسر کیسر دوہے،ساغر جیدی،ڈاکٹر، رائل سیمااُردورائٹرس فیڈریشن، کڈپہ، ۲۰۰۹ء ، ص۵/۶
۴۷۔ بشری اعجاز، رنگِ اَدب، ص۲۱۳
۴۸۔ محمد طہور خان پارس،ڈاکٹر، ایضاً،ص ۲۱۸
۲۹۔ اُردو کااپناعروض، گیان چند جین،انجمن ترقی اُردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۰ء،ص۷۲
۵۰۔ دوہارنگ، مرتبین مناظر عاشق ہر گانوی،شاہد جمیل،ص ۱۱/۱۲
۵۱۔ ہندی شاعری ،طبع دوم ،اعظم کُریوی ، ڈاکٹر،ص۱۶/۱۷
۵۲۔ ایضاً،ص ۸۲/۸۹
۵۳۔ ایضاً،ص۱۴۱
۵۴۔ عارف منصور،رنگِ اَدب،کراچی، ص۶۲/۶۳
۵۵۔ پاکستان میں اُردو دوہا، مشمولہ :کملی میں بارات، ص۷۱
۵۶۔ ہندی شاعری ،طبع دوم ،اعظم کُریوی ، ڈاکٹر، ص۱۲
۵۷۔ اُردو اور ہندی کے جدید اوزان، سمیع اللہ اشرفی، علی گڑھ،۱۹۸۴ء،ص۲۹۹تا۳۰۰
۵۸۔ پاکستان میں اُردو دوہا، مشمولہ :کملی میں بارات، ص۵۹/۶۰/۸۶
۵۹۔ جمیل عظیم آبادی،رنگِ اَدب،کراچی، ص۱۲۱
۶۰۔ شاہد جمیل، ایضاً، ص۱۰۰
۶۱۔ محمد سالم، ایضاً،ص۸۹
۶۲۔ حمایت علی شاعر، ایضاً،ص ۷۶
۶۳۔ من بانی، طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۵ء، ص۹
۶۴۔ پریت ساگر، طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴ء، ص۱۱
۶۵۔ ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی،ادبی دُنیا پبلی کیشنز،جے پور،انڈیا،۲۰۰۶ء ص۱۲

۶۶۔ دوہاغزل...دوہاگیت،مرتب: مناظر عاشق ،ڈاکٹر،ہر گانوی،مکتبۂ کوہسار، بھاگلپور ، انڈیا،۲۰۰۶ء،ص۹
۶۷۔ من موج، طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۱ء، ص۱۳
۶۸۔ من دیپک،طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء، ص۸
۶۹۔ انور سدید،ڈاکٹر،رنگِ اَدب،کراچی ص۴۶/۴۷
۷۰۔ فراز حامدی ، ڈاکٹر، ایضاً،ص۷۸/۷۹
۷۱۔ پریم رس،طاہر سعید ہارون،ڈاکٹر،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۹ء، ص۸
۷۲۔ محمد محفوظ الحسن، ڈاکٹر، رنگِ ادب، ص ۹۵
۷۳۔ شارق بلیلاوی، رنگِ ادب، ص۱۸۳
۷۴۔ دوہاغزل...دوہاگیت،مرتب: مناظر عاشق،ڈاکٹر،ہر گانوی ،متفرق صفحات
۷۵۔ دوہارنگ،وِدّیاساگر آنند،موڈرن پبلشنگ ہاؤس،دریاگنج، نئی دہلی،۲۰۱۰ء ، ص ۱۲۷/۱۲۹
۷۶۔ ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی، ص۱۸
۷۷۔ کیسر کیسر دوہے،ساغر جیدی،ڈاکٹر، رائل سیماُردو رائٹرس فیڈریشن، کڈپہ، ۲۰۰۹ء ، ص۱۱۹
۷۸۔ فکر و فن کے پھول،امام قاسم ساقی، نوشین پبلی کیشنس ، کڈپہ(انڈیا)۲۰۰۹ء، ص۴۳
۷۹۔ دوہارنگ،وِدّیاساگر آنند،ص۱۸۹
۸۰۔ ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی، ص۹۴
۸۱۔ فکر و فن کے پھول،امام قاسم ساقی، ص۹۶
۸۲۔ دوہاغزل...دوہاگیت،مرتب: مناظر عاشق،ڈاکٹر،ہر گانوی ،متفرق صفحات
۸۳۔ ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی، ص۱۰۰
۸۴۔ دوہارنگ،وِدّیاساگر آنند،ص۱۹۷
۸۵۔ فکر و فن کے پھول،امام قاسم ساقی، ص۱۰۸
۸۶۔ ایضاً،ص ۸۳
۸۷۔ ڈھائی آکھر، کوثر صدیقی، ص۱۰۲
۸۸۔ دوہارنگ،وِدّیاساگر آنند،ص۱۱۱تا۱۲۱
۸۹۔ رنگِ اَدب،کراچی، ص۷۷